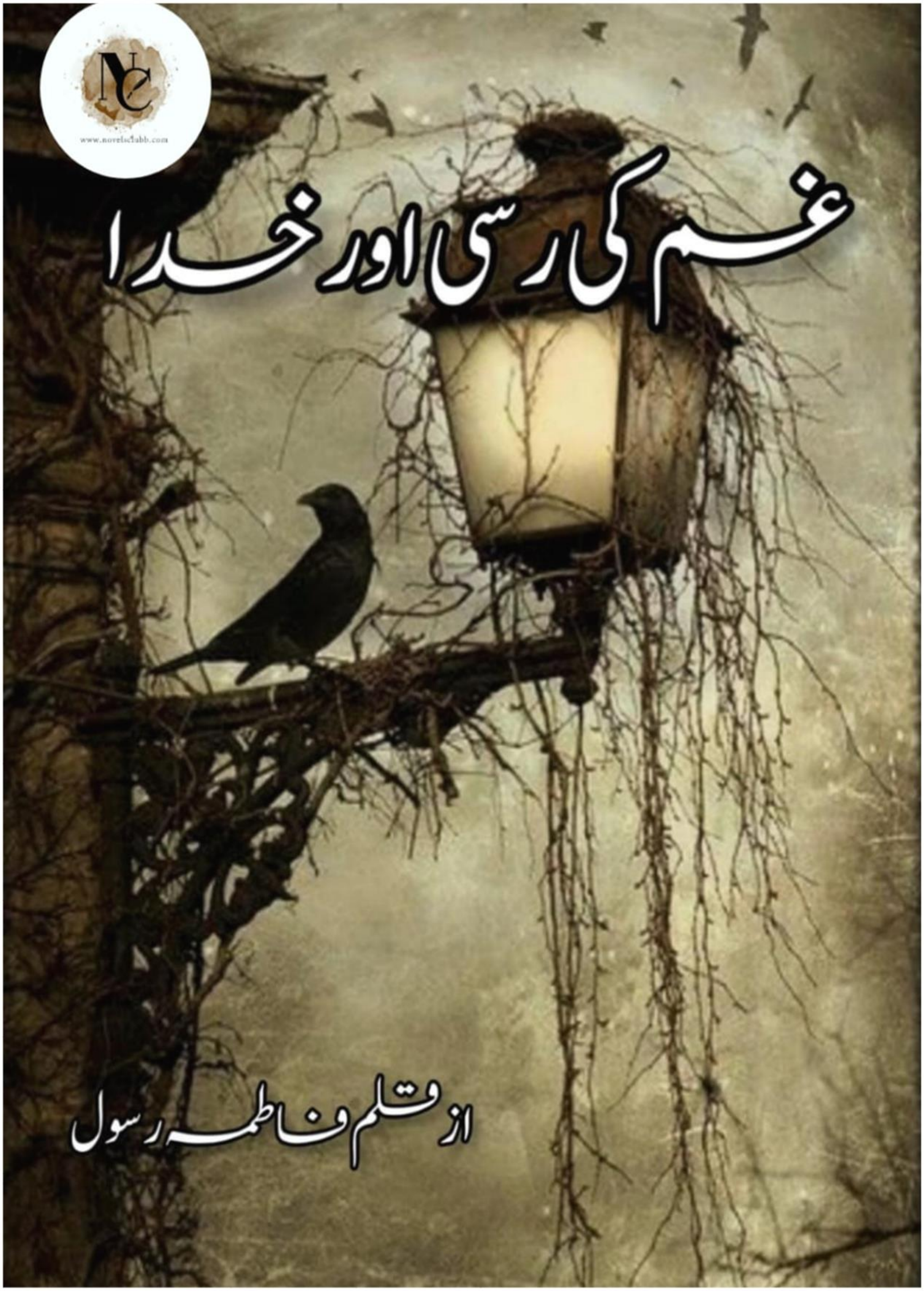
www.novelsclubb.com
غم کی رسی اور خدا
از قلم فاطمہ رسول

السلام علیکم

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔ تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842

غم کی رسی اور خدا

فاطمہ رسول

باب نمبر نو

ہم زندگی کے مارے!

ہمارا لغت زمانے سے مختلف تھا، سو ہم

کسی روز تجھ سے بچھڑے تو مر جائیں گے

مرنا یہ تو نہیں کہ روک لیں سانسیں اپنی

دل کو حکم دے دیں کہ دھڑکن سنائی نہ دے

مرنا یہ تو نہیں کہ زمیں کے نیچے جا بیٹھیں

اپنے ہر چاہنے والے کی آنکھوں کو نم کر جائیں

www.novelsclubb.com

مرنا یہ بھی تو ہوتا ہے کہ کسی روز ہم جاگیں تو

بدل چکی ہوں ہماری آنکھیں،

ان آنکھوں کی گہرائی میں ڈوبے احساس مر جائیں

مرنا یہ بھی تو ہوتا ہے کہ کسی روز چاند کو دیکھیں تو

اس کی روشنیوں میں بھی اندھیرے دکھنے لگیں

مرنا یہ بھی تو ہوتا ہے کہ کس روز انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے

کسی کے جسم سے نکلتا خون ہمیں بے چین نہ کرے

مرنا یہ بھی تو ہوتا ہے کہ کبھی تمہارے ذکر پہ ہم

آنسوؤں کو بہنے کی اجازت نہ دیں، دل کو روند کے آگے بڑھ جائیں

مرنا یہ بھی تو ہوتا ہے کہ کسی دن بادلوں کو دیکھ کر

یہ من مچلنے کی ضد نہ کرے، زمانے بھر سے ہم روٹھ جائیں

کسی دن تمہاری تصویر کو دیکھ کے ہنس دیں ہم

سر جھکا کے کہیں کہ جانتے تھے اسے بھی

ستاروں کو دیکھ کے چمکیں نہ آنکھیں

سورج کے دکھ میں ہم جلنا چھوڑ دیں

کوئی چلا جائے تو تلخی سے ہنس کے کہہ دیں

کہ یہ تو دنیا کی رسم ہے، رسم بھی ازل سے

جان سے پیارے یہاں اکثر جان لے جاتے ہیں

پھر شاید کسی روز ہمیں یاد آ جائے

کہا کرتے تھے تم کہ جینا ہے میرے لیے

www.novelsclubb.com

تو اب تمہیں ہم تمہارے لیے، مر مر کے جی کے دکھائیں گے

تمہاری خاطر ہم موت کے قفص سے سانسیں چرا لے آئیں گے

جسے غرور ہے نا قاتل ہونے کا، اسے قتل کر کے دکھائیں گے

آسماں پہ لکھ دیں گے، پوری دنیا کو قصہ سنائیں گے

یہ جو زعم میں بیٹھے ہیں اکڑ کے، سن لیں!

زندگی کے مارے جب جی کے دکھا دیں تب

ان جیسوں کو ٹکنے نہیں دیتے، ظلم کی بستی کو بسنے نہیں دیتے

کہانی کو اچانک بدل دیتے ہیں، کتھا میں لے آتے ہیں حیران کن موڑ

ان کے کرتوت کو پردے کے پیچھے چھپنے نہیں دیتے

ارے، تم تو ڈرے ہوئے لگتے ہو؟ دنیا کی محبت نے تھکا دیا نا؟

یاڈر گئے ہو اس حقیقت سے کہ

اٹھ چکا ہے پردہ، کھیل سمٹنے لگا ہے!

اور جانتے تو تم بھی ہو کہ

جیتی ہوئی بساط کو ہم پلٹنے نہیں دیتے

(از خود)

اللہ اکبر! اللہ اکبر!

اس کی آنکھ ایک بار پھر کھل چکی تھی۔ وہ الفاظ اس کا تعاقب کرتے تھے، اسے سونے نہیں دیتے تھے۔ اس نے جھنجھلا کے آنکھیں میچ لیں۔

پھر اس نے لیمپ کو جلایا، کہیں دور سے کسی جانور کے بولنے کی آواز آرہی تھی۔

اس نے فون کو چلایا اور اس پہ وقت دیکھا۔ ابھی رات کے ڈھائی بج رہے تھے، اسے سوئے زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ گھنٹا ہوا تھا۔ اسے اپنے ذہن میں گونجتی ہر آواز

پہ پہلے غصہ آیا، سر میں اٹھتی ٹیسوں نے اس غصے کو اور بڑھایا اور پھر اسے اپنی آواز سنائی دی۔۔۔

(''میں نے تمہاری نیند خراب کر دی؟''اس کے کان کھڑے ہو گئے۔

''نہیں تو۔۔ تمہیں تو اللہ نے ذریعہ بنادیا مجھے جگانے کا، ورنہ میری تہجد رہ جاتی آج۔۔'')

وہ بے اختیار مسکرائی تھی۔اور اس کے غصے کو اس شخص کی اگلی بات نے بالکل ختم کر دیا۔

''نماز نیند سے بہتر ہوتی ہے، ایلی۔'' اسے اچھے سے یاد تھی وہ رات جب وہ نیند سے جاگا تھا مگر اس کے لہجے کی نرمی نہیں گئی تھی۔

www.novelsclubb.com

آخر پہ مسکراتے ہوئے اس نے اپنی قسمت کے آگے گھٹنے ٹیک لیے اور سونے کی مزید کوشش نہیں کی۔

تقریباً پندرہ منٹ کے بعد وہ تہجد پڑھ رہی تھی۔ وہ تہجد لازمی پڑھا کرتی تھی۔ کافی عرصے پہلے کسی نے اسے بتایا تھا کہ تہجد تو خدا کے منتخب کردہ مخصوص لوگ ہی پڑھ سکتے ہیں، اسے تب سے ان مخصوص لوگوں میں شامل ہونے کا بڑا شوق تھا۔ سو وہ ان مخصوص لوگوں کے گروہ میں شمولیت حاصل کرنے کے لیے تہجد پڑھا کرتی تھی۔ وہ پورے جہاں کے مالک کے ساتھ کے لیے تہجد پڑھا کرتی تھی۔

تہجد پڑھنے کے بعد اس نے معمول کے مطابق لیپ ٹاپ نکالا اور اس کی سکرین کو تکنا شروع کر دیا۔

تقریباً دو گھنٹوں کے بعد اس نے اپنا فون کھولا تو سامنے وہ میسج جگمگا رہا تھا۔ وہ مسکرا دی۔ اسے گرین ہال نامی اکیڈمی میں نوکری مل گئی تھی۔

افق کے کنارے اب نیلے اور سرمئی سے دکھتے تھے۔ سورج کی تپش کم تھی کافی۔

•••••

وقت کا پہیہ پیچھے کو گھومنے لگا تھا، لمحوں کے یاد بن جانے سے پہلے کا ذکر ہے، ایک عالیشان حویلی میں کچھ توجہ طلب آوازیں گونج رہی تھیں۔

حویلی پیارے پیارے پھولوں اور قمقموں سے سجی تھی۔ کہیں املتاس کے پیلے پھول تو کہیں گلاب کے سرخ پھول تھے۔ قمقمے رات میں ستاروں کی طرح جگمگا رہے تھے۔ ہر طرف خوشیوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ غم تو کسی میز پہ، کسی کونے پہ چھپ کے بیٹھے تھے۔

سیاہ آنکھوں والی شناسا لڑکی ایک میز پہ آبیٹھی، آج عرصے بعد سب کزنز اکٹھے ہوئے تھے، کسی کی شادی تھی۔

میز پہ بیٹھا لڑکا مسکرا دیا۔ لڑکی بغور اسے دیکھتی رہی۔ جب وہ غور کرتے ہوئے آنکھیں چھوٹی کیا کرتی تھی تو اور بھی دلکش لگا کرتی تھی۔

اس وقت اس کی سیاہ آنکھوں میں کاجل تھا جو اسے اور دلفریب بنا رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

''اب آپ کو دکھ جاتی ہوں میں؟''اس نے پوچھا۔سوال بڑا عجیب تھا، لڑکے کی سیاہ آنکھوں میں حیرت ابھری۔ بھنویں بھنچ گئیں۔

''ایسے مت دیکھیں۔۔کیا ہے نا جن دنوں محبت نے آپ کو آسمان دکھار کھا تھا تب ہم زمین والوں کو تو ایک نظر نہیں دیکھا کرتے تھے آپ۔''جہانگیر ٹھٹکا، کچھ سوچا پھر سنبھل کے مسکرایا اور کہا۔

''آپ کو مجھ سے بہت شکوے ہیں، ثانیہ۔''اس کی آواز کی دلکشی، آہ، لڑکی نے سر جھکا دیا۔آئرہ حسن کے غم نے تو اسے مزید دلفریب بنا دیا تھا۔وہ سر جھکا کے مسکراتے ہوئے جہانگیر اقبال کو اچھی لگی تھی۔

www.novelsclubb.com

''شکوے بنتے ہیں میرے۔شکایتیں آج کی نہیں ہیں۔''آواز ہموار تھی، لہجہ نارمل۔وہ ستم کا ذکر کرتی تھی تو ٹوٹ کے نہیں دکھاتی تھی۔

''آئی سی۔ شکوے دور کیسے کیے جائیں، کزن صاحبہ؟''اس کے نرمی سے پوچھنے پہ لڑکی نے سر ایک بار پھر جھکا دیا۔ کاسنی لباس میں ملبوس وہ لڑکی اچانک سے درد کی گہرائیوں میں ڈوبنے لگی تھی۔ اسے کہاں عادت تھی جہانگیر اقبال کے نرم لہجے کی؟

''شکوے اب دور نہیں کیے جا سکتے، ہاں، البتہ ایک کام کیا جا سکتا ہے۔''اس نے بڑا جتانے والے انداز میں کہا۔

''کیا کام؟''لڑکے نے فوراً پوچھا۔ ناراضگیاں دور کرنے کی جلدی تھی اسے۔

''یہ کہ آپ مزید شکایتوں کا موقع ہی نہ دیں۔''اس نے مسکرا کے کہا تھا، اس سے پہلے کہ وہ کوئی عہد کرتا، اس نرم آواز نے ان کی توجہ کھینچی۔

''جہانگیر، دیکھو ذرا یہ شازم کیا کہہ رہے ہیں۔''وہ ہنستے ہوئے جہانگیر کو پکار رہی تھی۔ جہانگیر نے اس کی آواز سنی اور پوری دنیا کو نظر انداز کر گیا۔ اس کی غلطی

www.novelsclubb.com

نہیں تھی اس میں، جب محبت پکارتی ہے تب کہاں خیال رہتا ہے دنیا اور اس کے باسیوں کا۔ وہ اسی وقت اس کی طرف بڑھ گیا، اس کی ایک پکار نے جہانگیر اقبال کو بھلا دیا تھا کہ وہ ایک لمحے پہلے کسی روٹھے ہوئے کو منانے کی کوشش کر رہا تھا۔

پیچھے بیٹھی لڑکی نے سر جھکا دیا، اسے عادت تھی اس بے رخی کی۔ اس کی آنکھیں نم نہیں ہوئیں، دل کٹا تھا شاید، جو بھی تھا، اس نے کسی پہ اپنی حالت عیاں نہیں ہونے دی تھی۔

منظر بدلنے لگا، وقت تھوڑا سا آگے بڑھا، چند دن آگے۔ اب ارد گرد کوئی حویلی نہیں تھی، کسی شادی کا شور نہیں تھا۔ بس ایک پیارا سا باغ تھا، خاموشی تھی، اور سکون تھا۔

www.novelsclubb.com

باغ میں طرح طرح کے پھول کھلے تھے، گلاب، سورج مکھی، لیوینڈر۔

وہ اتفاقاً ملے تھے، اب بنچ پہ بیٹھے ہوئے تھے۔

''کیا کہہ رہی تھیں آپ اس دن؟'' جہانگیر کی آواز میں ندامت سی تھی۔اسے اس دن بہت دیر سے یاد آیا تھا کہ کسی کی سن رہا تھا وہ۔

''آپ کو یاد ہے میں کچھ کہہ رہی تھی؟ مجھے لگا آئزہ حسن کی موجودگی میں آپ کو سابقے لاحقے سب بھول جاتے ہیں۔'' مقابل کی آواز میں طنز نہیں تھا۔وہ بس مسکرا کے کہہ رہی تھی،اور یہی بات تو جہانگیر کو زیادہ کھٹکتی تھی،وہ کیسے اتنی پر سکون رہ سکتی تھی؟

جہانگیر سر جھکا کے ہنس دیا تھا،ہنسی میں پشیمانی تھی۔

''میں سمجھ سکتی ہوں آپ کو۔مجھے بھی بھول جاتے ہیں سابقے لاحقے آپ کی موجودگی میں۔''اس نے بھی کہہ کے سر جھکا دیا،اب کی بار جہانگیر نے اسے شدید حیرت کی زد میں دیکھا تھا۔ہنسی فنا ہو چکی تھی،اس کا پورا وجود ساکت ہو چکا تھا۔

www.novelsclubb.com

''یوں مت دیکھیں، جہانگیر صاحب۔ پورا خاندان جس بات کو جانتا ہے، میں نہیں مانتی کہ آپ اس سے بے خبر رہے ہوں گے۔''اس نے مزاحیہ انداز میں کہا تھا، اور کہہ کے افق کے کناروں کو تکنے لگی۔ تکنا تو بس ایک بہانہ تھا، ورنہ اسے تو یہ بھی نہیں یاد تھا کہ آج موسم کیسا ہے۔ جہانگیر اسے دیکھتا رہا، اس کی آنکھوں میں پشیمانی گھلتی جا رہی تھی۔

''جھوٹ کہہ رہی ہوں۔ مجھے معلوم ہے آپ بے خبر تھے۔''لڑکی نے اس کی حالت دیکھ کر رحم کھاتے ہوئے بات جاری رکھی۔''کیا ہے نا، جب انسان کو محبت ہوتی ہے تو صرف محبوب دکھتا ہے۔ آپ کو بھی دکھا، انسان ہیں آپ بھی۔''اس کی آواز اب بھی ہموار تھی، مگر تھی اداس سی۔

www.novelsclubb.com

''آپ کو برا نہیں لگا کبھی؟''وہ جانے کیوں پوچھ بیٹھا تھا۔ سوال منہ سے نکلا تو وہ پچھتایا۔

''سچ کہوں ؟پہلے لگتا تھا برا۔ پھر سمجھا دیا خود کو،اس پہ کیا برا ماننا کہ محبوب کو میں اچھی نہیں لگی۔'' وہ یہ کہہ کے ہنس دی تھی۔اس کی ہنسی نے جہانگیر کا دل چیر دیا۔ جہانگیر کا سر جھکتا جا رہا تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے،ثانیہ۔ تم جیسی لڑکی کسے اچھی نہیں لگے گی۔''اس نے نرمی سے کہا تو اس کی ہنسی رک گئی۔ آنکھوں میں کچھ چمکا۔

''پر میں جیسی بھی ہوں، میں جہانگیر اقبال کے لیے آئرہ حسن تو نہیں ہو سکتی نا۔'' پورے وقت میں پہلی بار دونوں کی نظریں ملی تھیں۔ جہانگیر نے محسوس کیا کہ اس کی آنکھیں نم ہیں۔ دل شرم سے کٹتا گیا۔ سورج ان کے پیچھے ڈوبتا جا رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

''میں نے بہت دعائیں کی تھیں کہ تم دونوں کی شادی ہو جائے۔'' وہ کہہ رہی تھی، اور اس میں سننے کی سکت نہیں تھی۔

"لیکن اب لگتا ہے یہ محبت کسی کے ہاتھ آتی ہی نہیں ہے۔" وہ پھر سے ہنس دی۔ اس کی ہنسی پہ جہانگیر اقبال کو شدید حیرت ہوئی تھی۔ محبت نامی حادثے کے بعد ہنسی آجاتی ہے کیا؟

اس رات جہانگیر اقبال نے پہلی رات ثانیہ مغل کے لیے آنکھوں میں کاٹی تھی۔ وہ ہمیشہ سوچا کرتا تھا کہ اس نے کسی کا دل نہیں دکھایا ہو گا، آج اس پہ انکشاف ہوا تھا کہ اس نے نہ صرف اس لڑکی کا دل توڑا تھا بلکہ قدموں تلے روندا بھی تھا۔ جب خود کی نظروں میں انسان مجرم بن جائے، تو اکثر نیند نہیں آیا کرتی۔

•••••

www.novelsclubb.com

وقت پھر اسی موڑ پہ آٹھہرا جہاں سے پیچھے مڑنا شروع ہوا تھا۔ ایلیانہ احمد لیپ ٹاپ کھولے اپنی بالکونی میں بیٹھی تھی، سامنے کافی کا مگ تھا۔ وہ کافی دیر سے مکمل یکسوئی سے کوئی کام کر رہی تھی۔

وہ اپنے سامنے موجود ڈاکیومنٹ کو گھور رہی تھی، جس ثبوت کو کوئی اتنے عرصے سے ڈھونڈ رہا تھا، ثانیہ پلیٹ میں ڈال کے اسے دے گئی تھیں۔ کیوں؟ آخر کیوں؟

اسے فی الحال اپنے سامنے پڑے ثبوتوں کی کوئی سمجھ نہیں آرہی تھی۔ جانے کب اسے دیکھتے دیکھتے اس کی رگیں تن گئیں، مٹھیاں بھنچ گئیں اور آنکھیں شعلے برسانے لگیں، اس نے غصے میں لیپ ٹاپ ایک طرف کو رکھا تھا اور بے دھیانی میں جانے کون سا بٹن دب گیا تھا۔

لیپ ٹاپ کی سکرین مکمل سفید ہو گئی اور پھر اس پہ سبز رنگ کا ایک ڈبہ ابھرا۔ ڈبے کے اوپر لکھا تھا۔

www.novelsclubb.com

“Write your password here.”

اور ڈبے کے اندر خالی جگہ تھی، وہاں پاسورڈ لکھا جا سکتا تھا۔

اسے دیکھ کے ایلیانہ احمد کا اوپر کا سانس اوپر اور تلے کا تلے رہ گیا۔۔دل کی دھڑکن بے ترتیب ہو گئی۔ پھر اس نے اندازاً پاسورڈ لکھنا شروع کیا۔

تقریباً نو دفعہ کوشش کرنے کے بعد اس نے فون کھولا تھا، وہ ثانیہ مغل کو کال کر رہی تھی۔

فون اٹھتے ہی اس نے بے تابی سے کہا تھا۔

"خالہ۔۔۔"

"السلام علیکم خالہ کی جان!" انہوں نے بڑی نرمی سے بڑی اہم بات یاد دلائی تھی۔

www.novelsclubb.com

"وعلیکم السلام!" اس نے لب کاٹے۔ فون تو کر دیا تھا، اصل بات کیسے کرنی تھی؟

"سدرا بتا رہی تھی کہ اب کمرے سے باہر بھی نکلتی ہو، شام میں کسی اکیڈمی میں پڑھا بھی رہی ہو۔۔" انہوں نے پرجوش ہو کے کہا۔

''جی ہاں، آپ نے جینے کے مقاصد یاد دلائے تو یاد آیا کہ مجھے تو مرنا نہیں تھا۔''

اس نے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے کہا۔

''تمہاری پریشانی دیکھ کے تو لگ رہا ہے کہ تحفہ مل گیا ہے۔''ان کی آواز بتا رہی تھی کہ وہ مسکرا رہی ہیں۔ پیچھے سے کسی بلی کی میاؤں میاؤں کی آواز آ رہی تھی۔ گلی میں بچے کرکٹ کھیل رہے تھے۔اور دو تین عورتیں کچھ باتیں کر رہی تھیں،اس نے سب آوازوں کو نظرانداز کیا۔

''آپ کیسے جانتی ہیں؟''اس نے الجھ کر کہا تھا۔

''کیوں؟ تمہارے شوہر کو لگتا تھا کہ صرف اسی کو برباد کر رکھا ہے اس شخص نے؟ باقیوں کو بھول گیا ہو گا سعدیہ کا بیٹا اور یوشع۔ مجھے نہیں بھولا۔اور مجھے یقین ہے کہ تمہیں بھی نہیں بھولا ہو گا۔''بھائی کے نام پہ اول تو وہ چونکی اور پھر۔۔

www.novelsclubb.com

''خالہ۔۔۔بھائی؟اس شخص نے؟''اسے سمجھ نہیں آئی تھی کہ کس طرح پوچھے۔ وہ الجھ کے تو رہ گئی تھی اس کہانی میں۔اس کہانی میں کوئی سراغ تھا بھی یا بس پہیلیاں تھیں؟ جہاں لگتا تھا کہ یہاں باہر کی راہ ہے،ادھر ہی راستہ اور الجھتا جاتا تھا۔

''آپ کو یہ فائل کہاں سے ملی؟''اس نے لہجے کو نارمل کرنے کی ناکام کوشش کی۔

''بیس سالوں سے ڈھونڈ رہی تھی آنا،کوئی ایک ثبوت۔کوئی ایک گواہ۔اب بھی نہ ملتا تو خودکشی لازم ہو جانی تھی مجھ پہ۔''اب وہ سنجیدہ تھیں اور اداس بھی۔اور آواز مذاق اڑانے والی تھی۔اپنا خود کا مذاق۔

''کیا آپ جانتی ہیں کہ وہ شخص کون ہے؟''آنا کا دل بے طرح دھڑکا۔

www.novelsclubb.com

''نہیں۔قسمت ابھی مجھ پہ اتنی مہربان نہیں ہوئی۔مگر میں یہ ضرور جانتی ہوں کہ جو فولڈرز تمہارے پاس ہیں وہ سب جانتے ہیں۔''

''یعنی آپ پاسورڈ نہیں جانتیں۔'' اسے مارچ کے مہینے میں دسمبر والی سردی محسوس ہوئی تھی۔

''جانتی تو تمہیں اس کھیل میں نہ آنے دیتی، میری جان۔'' ان کی آواز میں رنج سا تھا۔

''تمہیں معلوم ہے آنا، ایک اور وجہ بھی تھی تمہیں یہ فائل دینے کی۔ کہیں نہ کہیں میں جانتی تھی کہ تمہیں کوئی مقصد چاہیے۔

اگر مقصد نہ ملتا تمہیں تو تم کمرے میں بند ہی رہتی۔ میں تمہیں اس حال میں نہیں دیکھ سکتی تھی، کوئی بھی تمہیں اس حال میں نہیں دیکھنا چاہے گا، آنا۔ تم ہماری لاڈلی بچی ہو۔ ہم سب کی فیورٹ بچی۔'' ان کی آواز میں خوشی اور غم بیک وقت موجود تھے۔ اس کے بعد وہ کافی دیر اسی فائل کی بات کرتے رہے۔ شام بیتتی گئی۔ ایلیانہ احمد اب غم کو ایک طرف رکھ چکی تھی، اس سے نظریں چرا کے وہ پورا دن خود کو

www.novelsclubb.com

مصروف رکھتی تھی۔رات میں چند گھنٹے سوتی تو غنیمت مانتی،اور پھر سے کسی حل کو ڈھونڈنے میں لگ جاتی۔

•••••

صبح کے سات بج رہے تھے،اس کی سرخ آنکھیں گواہی دے رہی تھیں کہ رات آنکھوں میں ہی کٹی ہے۔

سات بجے اس کے فون کی گھنٹی بجی تو وہ چونکی۔وہ اس وقت بالکونی میں نہیں تھی، اپنے بستر میں تھی۔

عیسی کا فون تھا،اس نے فون اٹھالیا۔

www.novelsclubb.com

سلام دعا کے بعد عیسی نے اس کا حال پوچھا تو اسے کچھ یاد آیا تھا،اس نے بے چینی سے کہا تھا۔

''سنو عیسی! رامین کی طلاق ہو گئی ہے، تم جانتے ہو نا؟''اس کی آواز سن کے ایک بار تو عیسی احمد کا دل کٹا تھا۔

وہ ذرا توقف سے بولا تھا۔

''جی، سنا تھا۔۔۔''اس کی آواز، اس کی بات۔ ایلیانہ کے تو سر پہ لگی، تلوؤں پہ بجھی۔

''جاہل انسان، زندگی کتنوں کو دوسرا موقع دیتی ہے، تمھیں دے رہی ہے، اسے بھی برباد کرنا ہے؟''اس کی آواز سے پتا لگ رہا تھا کہ وہ غصے میں لال پیلی ہو رہی ہو گی۔ در حقیقت غصے میں اس کا رنگ نیلا ہوتا تھا، سو اس وقت نیلی ہو رہی تھی۔

www.novelsclubb.com

''ک۔۔ کیا مطلب؟''عیسی کو تو گویا کسی نے زہر دے دیا تھا۔

''عیسی احمد! اپنی بہن سے دل کی باتیں چھپانے سے فرصت مل جائے تو گھر والوں سے بات کر لو۔''وہ اب بھی اتنے ہی غصے میں تھی۔

''وہ مجھ سے بڑی ہیں۔۔۔'' بہانہ پیش کیا گیا۔

''محبت کرتے ہوئے تو نہیں سوچا یہ تم نے۔'' عذر رد کر دیا گیا۔ ''اور کتنی بڑی ہے تم سے؟ ڈیڑھ سال؟''

''امی اور ابو مار دیں گے مجھے۔'' وہ منمنایا تھا۔

''قسم لے لو، قتل نہیں کریں گے اپنے اکلوتے بیٹے کا۔'' وہ غرائی تھی۔

''آپی! آپ نہیں سمجھیں گی۔'' اور اس کی بات پہ غصے سے چلاتی ایلیانہ خاموش ہو گئی۔ شاید وہ سچ ہی کہہ رہا تھا، محبت کی بات کہاں سمجھ آتی تھی ایلیانہ احمد کو۔ کم از کم وقت پہ تو ہر گز نہیں۔ اس کی خاموشی سن کے عیسی گڑبڑایا تھا۔

www.novelsclubb.com

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔''

''اس سے بات کرلو، عیسی۔ محبت نہ ملے تو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ میں تمہیں اس تکلیف میں نہیں دیکھنا چاہتی۔''آواز میں بے بسی بھی گھلی تھی۔ وہ ساتھ میں کھڑکی کے پرے اڑتے پرندوں کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں کوئی احساس نہ تھا۔

''میں کوشش کروں گا۔''

''جلد کرنا۔ وہ ساری عمر اپنی بیٹی کو تمہارے انتظار میں نہیں بٹھا کے رکھنے والے۔''وہ آج واقعی غصے میں تھی۔ بڑے عرصے بعد ایلیانہ احمد واپس سے آنا احمد بنی تھی۔ بڑے عرصے بعد اس نے غصہ کرنا شروع کیا تھا۔

عیسی نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دیا۔ دل البتہ اب چلا چلا کے کہہ رہا تھا:

''بے وقوف شخص، موقعے کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔''

www.novelsclubb.com

پرندے اب ایلیانہ احمد کی نظر سے دور جاتے جا رہے تھے، ان پرندوں کو دیکھتے ہوئے جانے کب وہ اداس لڑکی سو گئی تھی، اسے خبر ہی نہ ہو سکی۔

•••••

اس کی آنکھ ایک شناسا سی آواز پر کھلی تھی۔ شناسا آواز سن کے پہلے تو اس کا چہرہ لال ہوا، پھر غصے سے رگیں تن گئیں۔

"ارے انکل، آپ غصہ کیوں کر رہے ہیں، مجھے بس آنا سے بات کرنی ہے۔" وہ بول ہی رہا تھا جب ایلیانہ نیچے آگئی۔ وہ دروازے پہ کھڑا تھا، احمد کے سامنے ڈٹ کے کھڑا تھا۔

سرخ فراک پہنے ہوئے وہ لڑکی جسے ٹوٹا دیکھنے کی خواہش میں وہ اس کے گھر تک آیا تھا کسی ملکہ کی طرح گردن تان کے، چلتے ہوئے اس تک گئی تھی۔

www.novelsclubb.com

"دفعہ ہو جاؤ، زیان۔ میں تمہارا گلہ دبا دوں گا۔" احمد چلائے تھے۔

"انکل، میرا یقین کریں میں نقصان کی نیت سے نہیں آیا، میں۔۔۔" وہ احمد کے پیچھے سے آتی اس ملکہ کو دیکھ رہا تھا جس کی آنکھوں میں ایک سرد سا تاثر تھا۔اس کی بات کو ایلیانہ کی دھار نے کاٹا تھا۔

"اسے آنے دیں، بابا۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کس قدر بے غیرت اور بزدل شخص کے ساتھ بچپن میں کھیلا کرتی تھی میں۔" احمد نے غصے سے ایلیانہ کو دیکھا، جو کہ مسکرا کے بات کر رہی تھی۔اور پھر اس کی آنکھوں کے سرد سے تاثر کے آگے ہار مانتے ہوئے دروازے سے ہٹ گئے۔

زیان اس کی بات پہ غصے کو چھپاتے ہوئے ہنس دیا تھا۔

www.novelsclubb.com

اب منظر کچھ یوں تھا، زیان ایک صوفے پہ بیٹھا تھا، سامنے والے صوفے پہ احمد اور آنا تھے، درمیان میں پڑی میز پر احمد کی بندوق رکھی تھی۔

''کچھ کہا تھا ابھی تم نے مجھے، آنا؟ بزدل؟ ہاں شاید، اسی لیے تمہارا طاقتور اور نڈر شوہر قبر میں ہے اور میں تمہارے سامنے بیٹھا ہوں۔''اس نے طنزیہ لہجے میں کہا تو آنا بڑے اطمینان سے مسکرا دی۔ آنکھوں کی سختی غائب نہیں ہوئی۔ وہ اتنا سفاک تاثر تھا کہ زیان کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ پیدا ہوئی تھی۔

''بات کو غلط ڈھنگ دے رہے ہو، زیان۔ وہ نڈر تھا، سوحق کے ساتھ کھڑا رہا، تم بزدل ہو، اسی لیے مجھے دھمکانے آئے ہو۔'' وہ غرائی ہی تو تھی۔ احمد کی آنکھوں میں فخر سا آیا تھا۔

زیان نے بس ہنسنے پہ اکتفا کیا۔ اس کی ہنسی کھوکھلی ہوتی جا رہی تھی۔

''دھمکانے نہیں آیا، بھئی۔ تم تو بھابھی ہو میری، میرے بچپن کی دوست ہو۔ تم سے تو بس شریفوں کی طرح کہنے آیا ہوں کہ کورٹ کچہری کے معاملات میں نہ پڑو۔ لڑکی کی عزت کا بڑا نقصان ہوتا ہے۔ بڑے بڑے الزام لگ جاتے ہیں، بڑی

بڑی باتیں ہوتی ہیں، یہ جو ساتھ کھڑے ہونے کی نوٹنکی کر رہے ہیں نا، یہی لوگ کیچڑ پھینکتے ہیں۔" وہ کمینگی سے مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلا ہلا کے، آنکھیں گول کر کر کے اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ہمارے خاندان کی لڑکی ہو تم، تمہیں میں نصیحت نہیں دوں گا تو کون دے گا؟ انکل آپ ہی سمجھائیں اسے۔ لڑکیاں نہیں برداشت کر پاتیں تہمتوں کو۔" اس کی بات سن کے بھی آنا کے اطمینان میں رتی برابر فرق نہیں آیا۔

آیا بھی تو اس نے یہ حقیقت مقابل پہ عیاں نہیں ہونے دی۔ اسے اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کراہت محسوس ہو رہی تھی۔ سانس گھٹ رہا تھا، مگر چہرے پہ کوئی ایسا تاثر نہیں تھا جو مقابل کو یہ بتا سکتا کہ اس کی موجودگی آنا کا دماغ خراب کر رہی ہے۔

اس کی مسکراہٹ اب کی بار گہری ہوئی اور اس نے کندھے اچکا دیے۔

''میری عزت کی پرواہ کرنے کے لیے شکریہ، اب اپنی راہ لو، دوست۔ کیوں کہ میں تمہیں چھوڑنے نہیں والی، حتی کہ تم سلاخوں کے پیچھے ہو یا گڑ گڑا کے معافی مانگتے ہوئے اپنی سزا بھگت رہے ہو۔''اس نے ہر لفظ چبا چبا کے ادا کیا۔اس کے الفاظ کے ساتھ زہر سا نکلا تھا جو زیان کے خون میں گھلنے لگا تھا۔

''میں نے روکا تھا اسے، آنا۔ قسم لے لو، بہت سمجھایا تھا۔'' وہ شاید اسے روتا دیکھنا چاہتا تھا، تڑپتا دیکھنا چاہتا تھا، ٹوٹتا دیکھنا چاہتا تھا، مگر اس کی خواہشات کا قتل کرتے ہوئے وہ ایک بار پھر مسکرا دی۔

''اگلی بات تم جانتے ہو کیا کہو گے؟ تم کہو گے کہ ایلیانہ اس دنیا میں انصاف نہیں ملتا۔ جواب میں ابھی دے دیتی ہوں۔'' وہ کندھے اچکاتے ہوئے شیان کو زہر لگی تھی۔ ''دنیا سے انصاف نہیں ملے گا تو بھولنا مت، بندوق چلانا مجھے بھی اسی شخص نے سکھایا ہے جس نے تمہیں سکھایا تھا۔اور بالفرض تم دنیا میں ہر سزا سے بچ گئے تب بھی آخرت میں کیسے بچو گے، زیان؟ کیسے بچو گے خدا کے عتاب سے؟ جس

شخص کو مار کے اترا رہے ہونا، وہ خود کو خدا کی امان میں دے کے گھر سے نکلتا تھا، شدید تکلیف کے عالم میں وہ نصیحتیں کیا کرتا تھا، بے جان ہوتے جسم کے ساتھ کلمہ پڑھا کرتا تھا۔" اس نے تلخی سے کہا، مگر اس کی باتوں کا مقابل پہ کوئی اثر نہیں ہوا۔

وہ اسی طرح کمینہ بنا رہا، مسکراتا رہا۔ یا شاید، مسکرا کے دکھاتا رہا۔۔۔

"مسکرالو، زیان۔ جس وقت جان گئے نا تم کہ کیا کر بیٹھے ہو تو رونے کی بھی سکت نہیں ہو گی۔" اس نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے کہا اور پھر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"اب بات ہو گئی تمہاری، تو تم جا سکتے ہو۔" وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھتے ہوئے اونچی آواز میں یہ کہنا نہیں بھولی تھی۔

"سورت بقرہ کی تلاوت کریں، امی۔ نحوست گھر میں آبسی ہے۔ اسے نکالنا ہو گا۔"

یہ آواز سن کے زیان نے لب کاٹے تھے، وہ اٹھ کے باہر کی طرف بڑھ گیا۔

www.novelsclubb.com

اس کی چال میں ایسا غرور تھا جیسے بادشاہ ہو وہ کوئی جور عایا پہ ظلم کے نشے پہ ہو۔

"تم نہیں بچو گی، ایلیانہ احمد۔" جاتے ہوئے وہ مٹھیاں بھینچ کے بڑبڑایا تھا۔

گھر کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنتے ہی، وہ جو اوپر جانے والی تھی، سیڑھیوں پہ ہی ڈھے گئی، احمد اس کے ساتھ آبیٹھے تھے۔

وہ رو نہیں رہی تھی، لمبے لمبے سانس لے رہی تھی، اس کی آنکھیں از حد سرخ پڑ رہی تھیں۔ احمد نے اس کے سر کو اپنے کندھے پہ ٹکا دیا، وہ کافی دیر چپ چاپ یونہی بیٹھے رہے۔ اور پھر اس کی نحیف سی آواز گونجی۔

"وہ میرے سامنے تھا، بابا۔ خدا کی قسم، دل چاہا کہ اس کا قتل کر دوں، بندوق میں www.novelsclubb.com موجود تمام گولیاں اس کے جسم میں اتار دوں، اس کا خون پی جاؤں۔۔۔" مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں، جسم کپکپا رہا تھا۔

''ششش، اسے ہم کورٹ میں دیکھیں گے۔'' وہ اس کے بال سہلاتے ہوئے تسلی دینے لگے۔ ان کی بات سن کے اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''مجھے کورٹ کچہری، دنیا کے نظام عدل یا انصاف پہ اعتبار نہیں ہے، بابا۔'' اس نے سر ان کے کندھے سے اٹھا کر ان کی آنکھوں میں جھانکا۔ کمرے میں سے سدرا باہر نکلیں، جو زیان کی آواز سن کے اندر ہی بیٹھ گئی تھیں، جانتی تھیں کہ اسے سامنے دیکھا تو کچھ کر بیٹھیں گی۔

''پہلے تو کرتی تھی اعتبار، یاد ہے، پچھلے کیس کی باری میں کتنی پر امید تھی تم۔۔۔'' سدرا نے حوصلہ بڑھانا چاہا، مگر وہ غلط بات کہہ بیٹھی تھیں اس بات کا ادراک انہیں آنا کا جواب سن کے ہوا۔

www.novelsclubb.com

''پہلے تھا کوئی، اماں۔ جو آنکھیں میں دیکھ کہ کہتا تھا کہ میں ساتھ ہوں نا، کچھ غلط نہیں ہوگا، اور میں اس کی آنکھوں میں دیکھ کے یقین کر لیتی تھی۔ جو ہاتھ پکڑ لیتا تھا

تو یقین ہو جاتا تھا کہ اب کوئی گرا نہیں پائے گا۔ کیس وہ لڑ رہا تھا، اماں۔ میں یقین کیسے نہ کرتی؟'' وہ نم آنکھوں سے مسکرائی تھی۔ سامنے کھڑا ہیولہ اسے متفکر سا دیکھے گیا۔

اس نے اس شخص کی نظروں میں نظریں ڈالتے ہوئے باپ کے کندھے پہ سر ٹکا دیا۔ وہ اپنے ذیلی شعور سے لڑتے لڑتے تھک چکی تھی۔

•••••

وہ ایک معمولی سا دن تھا، سورج نکل چکا تھا، مگر معمول کی طرح رنگ نہیں تھے، آسماں پہ سرمئی بادل جو چھائے تھے۔ ہسپتال کی راہداریوں نے اس کی سبز آنکھوں کو غور سے دیکھا تھا، وہ جو ابھی ایک مریض سے مل کر آ رہی تھی، اپنا فون نکالتے ہوئے میسج کر رہی تھی۔ آج بڑے عرصے بعد ایک سہیلی کی یاد آئی تھی، سو بات کرنا تو اس پہ فرض تھا۔ اس نے میسج ٹائپ کیا۔

www.novelsclubb.com

''وہ کوئی دوست تھا اچھے دنوں کا

جو پچھلی رات سے یاد آرہا ہے''

دوپہر کے ایک بج رہے تھے، ایلیانہ احمد ابھی ظہر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھی، نوٹیفکیشن کی آواز سن کے فون کو گھورنے لگی۔ اس کا میسج دیکھ کر آنکھیں نم ہوئیں اور پھر اس نے جواب لکھا۔ ماریہ کی توقعات کے برعکس جواب اسی وقت آیا اور حیرت انگیز طور پہ شاعرانہ انداز میں نہیں آیا۔ وہ بس اس سے پوچھ رہی تھی۔

''کیسی ہو؟'' ماریہ حیران تو ہوئی تھی مگر مسکراتے ہوئے لکھا۔

''پیاری، تم بتاؤ، تم کیسی ہو؟'' وہ پرجوش سے لہجے میں پوچھ رہی تھی، آگے کچھ اور بھی لکھ رہی تھی۔

www.novelsclubb.com

آنا نے اس کے میسج کو دیکھا، وہ معمول کی طرح مسکرا نہیں پائی۔ ویران آنکھوں کے ساتھ اس نے جواب لکھ کے بھیج دیا۔

''آج بہت باتیں کرنی ہیں تم سے۔۔''لکھتے لکھتے ماریہ کے ہاتھ تھم گئے، وہ اس کے جواب کو گھور رہی تھی۔ کچھ عجیب تھا، کچھ تو غلط تھا، وہ کہہ رہی تھی۔

''زندہ ہوں، شاید۔۔۔''اس نے ایسا تو کبھی نہیں کہا تھا، ان دنوں میں بھی نہیں جب اس نے معذوری دیکھی تھی، ماریہ کو کچھ ہوا تھا، اس نے ریسیپشن پہ کھڑی عورت کو کچھ کہا تھا، شاید کسی دوا کا پوچھا تھا، پھر اس نے اسے کال کر دی۔ چوتھی گھنٹی پہ کال اٹھالی گئی۔

''السلام علیکم!''ماریہ نے سلام ڈرتے ڈرتے کیا تھا۔

''وعلیکم السلام!''اس کی آواز نحیف سی تھی، کمزور سی، اداس سی، مردہ سی۔ وہ اب جائے نماز تہہ کر کے بالکونی کی طرف بڑھ گئی تھی۔

دوسری طرف اس کی آواز سن کے ماریہ نے آنکھیں میچی تھیں۔

www.novelsclubb.com

''سچ سچ بتاؤ، کون سی قیامت بیتی ہے تم پہ؟ کیا ہوا ہے، ایلیانہ؟'' پریشانی آواز سے چھلکی تھی۔اس کی پریشانی سن کے بھی اس کی بے تاثر آنکھیں بے تاثر ہی رہیں۔

''آج تو کچھ بھی نہیں ہوا۔'' وہی کھویا ہوا لہجہ، کھوئی ہوئی باتیں۔ماریہ کو کسی انہونی کا خدشہ ہوا تھا۔

''کچھ ہونے والا ہے کیا؟'' اس نے ایک لمبا سانس کھینچ کے، ڈرتے ہوئے کہا۔اب کی بار ایلیانہ ہلکا سا مسکرائی، گھائل سی مسکراہٹ۔

''ہاں۔'' پھر اس نے لاتعلقی سے کہا۔

www.novelsclubb.com

''کیا؟ بولو بھی آنا!'' وہ بے تابی سے پوچھ رہی تھی۔خوف اس کی آنکھوں سے جھلکنے لگا تھا۔

''کل کی تاریخ ہے، کل سنوائی ہے۔'' اس نے اسی مردہ لہجے میں کہا تو ماریہ ٹھٹکی۔

''کس چیز کی؟''ماریہ منصور بری طرح الجھ چکی تھی۔

''کیس ہے نا۔کل قاتل کو کٹہرے میں دیکھوں گی۔''ایلیانہ اب ریلنگ پہ ہاتھ رکھ کر جسم نیچے کو جھکا کے درخت پہ لگے اس گھونسلے کو دیکھ رہی تھی جس میں دو پرندے بیٹھے تھے۔

''کون سا قاتل،سیدھی بات کیوں نہیں کر رہی تم!''اب وہ قدرے اونچی آواز میں بولی۔وہ جھنجھلا گئی تھی،پریشاں ہو گئی تھی۔اس کے سوال پہ پرندوں کو دیکھتی لڑکی کی یکسوئی ٹوٹی۔

''اصل سوال یہ نہیں ہے سٹوپڈ، کہ قاتل کون ہے،اصل سوال یہ ہے کہ زندگی کے قاتل کو سامنے دیکھوں گی تو خود کو اس کا قتل کرنے سے کیسے روکوں گی؟''اس کی آواز بھرا گئی۔اس نے پھر سے کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھنا شروع کر دیا۔

''تم مجھے ڈرا رہی ہو،آنا۔''ماریہ نے خبردار کیا تو آنا کو ہنسی آئی تھی۔

''ڈر تو میں گئی ہوں، ماریہ۔ چند دن نہیں کٹ رہے مجھ سے، یہ عمر کیسے گزاروں گی؟'' وہ سوال تھا یا جواب، یا کوئی بہانہ، سمجھنا مشکل تھا۔ ماریہ کے دل کی دھڑکن بڑھی تھی۔ اسے سردی کی شدت کے باوجود پسینہ آیا تھا۔

''شٹ اپ، آنا۔ ہیرو کہاں ہے تمہارا، اس کا نمبر دو مجھے، میں فون کر کے کہوں گی کہ مسٹر، بیوی پاگل ہو گئی ہے آپ کی، رخصتی کروا لیں بس اب۔'' اسے خدشہ تھا کہ ان کی کوئی لڑائی ہوئی ہے، سو بات یوں کی تھی۔

اور ویسے بھی آنا کو تشبیہ اور استعاروں کی زبان بولنے کی عادت تھی۔ کمینے سے جھگڑا ہوا ہو گا، تو اسے قاتل کہہ دیا۔ کل ملنا ہو گا تو ملنے کی جگہ کو کٹہرا کہہ دیا ہو گا۔

www.novelsclubb.com

پر وہ مزید تب الجھی جب جواب میں وہ ہنس دی، کھوکھلی سی ہنسی۔

''ہیرو کہاں سے لاؤں، یار؟ مسٹر چھوڑ گئے ہیں مجھے!'' ہنستے ہنستے بھرائی آواز میں وہ کہہ رہی تھی، اور ماریہ کا دل کٹنے لگا۔ بات بچھڑنے تک آ پہنچی تھی؟

''چھوڑ کیسے دیا؟ وہ تو قسمیں کھا کے کہتا تھا کہ تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔ مذاق مت کرو، آنا، میرے دل کی دھڑکن بڑھ رہی ہے۔'' اس نے حقیقت کو جھٹلانا چاہا۔

لیکن ایلیانہ ہنوز مسکراتی رہی۔

''سوچ تو میں بھی چار مہینوں سے یہی رہی ہوں کہ وہ مجھے چھوڑ کیسے سکتا ہے۔ سب کہہ رہے ہیں کہ وہ جا چکا ہے، مجھے چھوڑ کر، سب کو چھوڑ کر۔ میں کیسے مان لوں کہ وہ مجھے چھوڑ گیا ہے، ماریہ؟ اس نے تو ساتھ نبھانے کے وعدے کیے تھے، اس نے تو زندگی پہ یقین دلایا تھا، وہ میرے یقین کو کیسے توڑ سکتا ہے؟'' اب آواز کپکپا رہی تھی۔ بچھڑنے کی بات اب بھی نہیں ہوتی تھی اس سے۔

www.novelsclubb.com

''آنا! سیدھی طرح بات کہو۔'' وہ جواب دیوار کا سہارا لے چکی تھی، سیدھی بات پوچھ بیٹھی۔ شاید وہ اس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔

''سیدھی بات؟ کب سے میں سیدھی باتیں ہی تو کر رہی ہوں، یار۔ چار ماہ سے اکیلی ہوں میں۔ بالکل اکیلی، روز خواب میں آتا ہے میرے۔ اب تو دن میں دکھائی بھی دیتا ہے، مگر وہ یہاں نہیں ہے ماریہ، وہ کہیں نہیں ہے۔'' اسے سمجھ نہیں آئی کہ اس سے زیادہ سیدھے طریقے سے کس طرح بتائے۔

جس حقیقت کو خود تسلیم نہیں کیا تھا، وہ کسی اور کو کیسے بتاتی؟

''کیا طلاق دے رہا ہے؟'' ماریہ نے جھجکتے ہوئے، ڈرتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ارے نہیں، سٹوپڈ۔'' اس نے ذرا غصے سے کہا، بھنویں اکٹھی ہوئی تھیں، اعصاب تن گئے تھے۔ پھر وہ قہقہہ مار کے ہنس دی۔

www.novelsclubb.com

''سب کہہ رہے ہیں کہ وہ مر گیا ہے۔'' ہنستے ہوئے، یا شاید روتے ہوئے، اس نے کہا تھا۔ اور ماریہ منصور کو دیوار کا سہارا کم لگا۔ اس نے کھینچ کر سانس لیا تھا۔ سامنے کا منظر دھندلانے لگا تھا۔ وہ ہنستی جا رہی تھی، ہنستے ہنستے روتی جا رہی تھی اور ماریہ کے

پاس تسلی کے لیے الفاظ بھی نہ تھے۔اس کا جسم کپکپانے لگا تھا۔وہ اکثر آنا سے کہا کرتی تھی کہ پوری ڈرامائی کہانی ہے اس کی، کسی ناول کی داستان ہو جیسے،اس پرفیکٹ ڈرامائی کہانی میں اتنے خوفناک موڑ کی توقع نہیں تھی اسے۔فون کب کٹا، اور کب اسے پیچھے کھڑے ڈاکٹر نے بلایا،اسے معلوم نہیں تھا۔بس جب ڈاکٹر نے بلایا تواس نے چونک کے ان کی طرف دیکھا۔

''آپ یہاں کیا کر رہی ہیں،ڈاکٹر ؟'' یہ داؤد کی آواز تھی،وہ جو آگے کچھ بولنے جا رہا تھا،اس کے آنسو دیکھ کے رک گیا۔

کس کمبخت کو ماریہ منصور کے آنسو اچھے لگ سکتے تھے ؟

www.novelsclubb.com

اس کا دل کٹ کے رہ گیا۔

''سب ٹھیک ہے نا؟'' وہ ماریہ کی طرف بڑھا تھا، مگر وہ دور ہٹتی گئی،وہ رخ موڑ کے آگے بڑھ گئی۔اسے داؤد عمر کے سامنے نہیں رونا تھا،اس لیے نہیں کہ وہ اس پہ

اعتبار نہیں کرتی تھی یا وہ اس کا مذاق اڑاتا، بلکہ اس لیے کہ وہ پہلے ہی بہت اداس تھا، وہ اسے دنیا کے اور مسائل نہیں بتانا چاہتی تھی۔

البتہ کسی جھجکے کے بعد اس نے آنا کی چیٹ کھولی، اس نے اس کے شوہر کو صرف ایک ہی بار دیکھا تھا، صرف ایک تصویر میں۔ اسے وہ یاد نہیں تھا۔

سو وہ تصویر ڈھونڈ رہی تھی، تصویر نہیں ملی نہ اس نے مانگی، اسے گھر جانا تھا، آنا سے بات کرنی تھی، اسے تسلی دینی تھی۔

پر سوال یہ تھا کہ جس سے زندہ رہتے ہوئے زندگی چھن جائے، اسے تسلی میں دینے کے لیے الفاظ بچتے ہیں کیا؟

www.novelsclubb.com

رات کو اس نے آنا احمد کو کال کی تھی۔ اس نے کال اٹھالی تھی۔

پہلے کچھ دیر خاموشی ہی چھائی رہی پھر اس نے دھیمے سے کہا۔

''تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا، آنا؟'' وہ شکوہ نہیں تھا، بس اسے سمجھ ہی نہیں آیا کہ کیا کہے۔

''سب چھوڑو، یار۔ صبح کی آفر پہ غور کیا ہے۔ تم بتاؤ، دوں نمبر اس کا۔ قسم کھاؤ، نمبر دوں گی تو لے آؤ گی اسے۔ اسے بتانا، یار، اس کی ایلی مر رہی ہے اس کے بغیر۔ یہ کہو گی نا تم، تو واپس آجائے گا وہ۔'' وہ یقیناً رو رہی تھی، ماریہ منصور کو لگا کہ اس نے فون کر کے غلطی کی ہے۔

''آئی ایم سوری، آنا۔ مجھے نہیں معلوم تھا تم کس آفت سے گزر رہی ہو۔ اپنا خیال رکھو آنا، تم خاص ہو۔'' اس نے مزید ایسی باتیں کی تھیں، اسے سمجھ ہی نہیں آرہی تھی کیا کہے اور وہ اسے تنہا بھی نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔

حساس ہونے کا سب سے بڑا نقصان، محسوس اتنا ہوتا تھا کہ رو رو کے سمندر بھر دو، اور اظہار اتنا بھی نہیں ہوتا تھا کہ تسلی کے دو بول کہہ سکو۔

•••••

وہ اس وقت کورٹ کی عمارت کو اپنی سبز آنکھوں سے تک رہی تھی، ارد گرد بہت سرگوشیاں تھیں، دور کہیں کوئی کچھ بیچ رہا تھا، سڑک پہ ٹریفک رواں تھا۔

وہ سب کو نظر انداز کرتے ہوئے عمارت کو دیکھتی رہی، بھورے رنگ کے ستونوں والی عمارت۔ اس نے آخری بار اس عمارت کو دیکھا تھا تو۔۔۔

ذہن ماضی کی یادوں میں ڈولنے لگا۔ اب منظر یوں تھا کہ اس کی سبز آنکھیں ان سرمئی آنکھوں کو تک رہی تھیں۔ وہ اسے کچھ سمجھا رہا تھا، بتا رہا تھا کہ فلاں سوال کے جواب میں یوں بولنا، کوئی ایسا کہے تو یوں منہ توڑ جواب دینا۔ اور وہ بس ہاں میں سر ہلا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ خاموش ہوا تو اس نے اس سے ڈرتے ہوئے کہا۔

''انصاف تو ملے گا نا، عالیان؟'' وہ سہمی ہوئی کوئی بچی لگتی تھی۔

''انصاف صرف اللہ دیتے ہیں، ایلی۔ تم اللہ سے دعا کرو، وہ دیں گے انصاف۔''

اسے ڈر کو بھگانا آتا تھا۔

''انہوں نے مجھے نکالا۔ میں نے اسے دیکھا، وہ خون۔۔۔'' وہ جانے کیوں ایک بار پھر وہ واقعہ بیان کرنے لگی تھی۔

اس نے جواباً کچھ نہیں کہا، بس ہاتھ کو اس کے ہاتھ پہ رکھا، جب ایلیانہ نے سر اٹھا کے اسے دیکھا تو وہ ہلکا سا مسکرایا۔ اور ایلیانہ احمد کا دل پر سکون ہو گیا۔ اس کی سماعتوں میں اس کی آواز گونجی تھی۔

''تم تو میری شیرنی ہو، شیرنیاں روتی نہیں ہیں۔''

www.novelsclubb.com

''میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔'' اور ایلیانہ احمد کے دل نے اقرار کیا، جب جب وہ بتاتا تھا کہ میں ہوں تمہارے ساتھ، تب تب لگتا تھا کہ سب صحیح رہے گا، حالات موافق رہیں گے، زمانہ درد نہ دے گا۔

وہ حال میں واپس آگئی، جہاں وہ تنہا کھڑی تھی۔ پیچھے سے احمد آئے اور اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا، وہ ہلکا سا مسکرائی گویا تسلی دی کہ وہ ٹھیک ہے، زندہ ہے۔

پھر وہ آگے بڑھ گئے۔ راہداریوں میں گھومتے ہوئے پھر ایک یاد نے اسے گھیرا تھا۔

''شاہ زیب، تم مجھے غصہ دلا رہے ہو۔ یہ کیس تمہارا ہے، میں نہیں بتا رہا کچھ۔'' وہ غصے سے اپنے جونئیر سے کہہ رہا تھا، وہ تینوں راہداری میں کھڑے تھے۔

''دیکھ لے بھائی، تیرے کیس کی سنوائی میں ابھی وقت ہے، تھوڑی سی راہنمائی کر دے۔'' لہجہ بتاتا تھا، بے تکلفی تھی ان کے درمیان۔

عالیان کی سرمئی آنکھوں میں یکدم غصہ سا آیا تھا، مٹھیاں بھینچ گئی تھیں۔ وہ شاہ زیب کی کئی بار مدد کر چکا تھا، مگر ہر بار تو نہیں کر سکتا تھا نا، وہ اسے خود پہ منحصر نہیں ہونے دے سکتا تھا۔

www.novelsclubb.com

اسی راہداری سے ایک مجرم کو لے کر جایا جارہا تھا، اسے دیکھتے ہوئے ڈرتے ہوئے ایلیانہ نے عالیان کے ہاتھ کو تھاما تھا۔ عالیان نے پیچھے مڑ کے دیکھا، غصہ غائب ہونے لگا، اس کی آنکھوں میں نرمی سی آگئی تھی۔ اس نے ایلیانہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس نے ہاتھ پکڑا اور ایلیانہ احمد کو لگا وہ محفوظ ہے۔ اب پوری دنیا بھی مل گئی، تو اسے نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔

پھر عالیان جلدی جلدی شاہ زیب کو کچھ باتیں بتانے لگا۔

"بھابھی آپ!" وہ آواز اسے حال میں لے آئی۔

اس نے سامنے دیکھا، شاہ زیب چلتا ہوا اس تک آرہا تھا، احمد سے مصافحہ کرنے کے بعد اس نے نظریں جھکا لیں۔

www.novelsclubb.com

"آج سنوائی ہے۔۔۔" ایلیانہ نے دھیمے سے کہا، اس کا سر اور جھکتا گیا۔

''سوری، بھابھی! میں یہ کیس نہیں لے سکا۔ کوئی کیس بھی لیں تو یا اسے جیتتے ہیں یا ہارتے ہیں، یہ کیس لے لیتا اور خدانخواستہ ہار جاتا تو شرم سے ڈوب کے مر جاتا۔''

لہجہ بتاتا تھا، بات سچ تھی۔

''میں سمجھ سکتی ہوں۔ اور یہ بھی سمجھ سکتی ہوں کہ ایک فیصد بھی امید ہوتی جیتنے کی تو تم کیس لے لیتے۔ بتاؤ شاہ زیب، ایک فیصد بھی امید نہیں ہے جیت کی؟''اس کی آنکھیں نم نہیں پڑیں، آواز نہیں کانپی۔ دل کی البتہ چھوڑ دو۔ وہ تو اب ہر لمحہ تڑپتا تھا۔

''مقابل تگڑی قوت ہے، بھابھی۔''اس کی آواز میں پشیمانی تھی۔

''وہ ہوتا تو کہتا، تگڑی قوت ہے تو کیا، کیس تو میں لڑوں گا۔ یہاں ہار بھی گیا،''وہ ٹھہری، مسکرائی۔ ''تو وہاں جیت جاؤں گا۔''وہ ہلکا سا ہنس دی۔

''سو کیس تو ہم لڑیں گے۔''اس نے شاہ زیب کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"یہاں نہ ملا انصاف، تو وہاں مل جائے گا!" آواز میں پراسرار سا عنصر تھا۔

پھر کچھ دیر شاہ زیب اسے کچھ بتاتا رہا، شاید کیس کے لیے مشورے دے رہا تھا، چند ادھر ادھر کی باتیں، اور پھر ایلیانہ اور احمد کورٹ روم کے اندر داخل ہو گئے۔

•••••

بھورے رنگ کی کرسیوں پہ سب بیٹھے تھے، ایک طرف ایک تصویر تھی، کسی مرد کی۔ تصویر سیاہ اور سفید سی تھی۔ سامنے جج بیٹھا تھا۔ کچھ پل گزرے اور کاروائی شروع ہوئی۔

وکیلوں کی بحث، فلاں بات کو فلاں سے جوڑنا، کبھی بس جیت جانا اور کبھی بری طرح ہار جانا، یہ سب تو ان دیواروں نے دیکھ رکھا تھا۔

www.novelsclubb.com

مگر انھوں نے کبھی بھی کسی کی آنکھوں کو اتنا ویران نہیں دیکھا تھا، جتنی ویران وہ سبز آنکھیں تھیں۔

پہلے صدیقی حسن کو کٹہرے میں بلایا گیا، اس نے چشم دید احوال بیان کر دیے۔ پھر چند راہگیروں نے باتیں بتائیں۔

پھر زیان حیدر کو کٹہرے میں بلایا گیا۔ اسے اسی کے وکیل نے بلایا تھا یعنی اب کورٹ کی دیواروں نے من گھڑت کہانیاں سننی تھیں؟ یا ان سنی حقیقت؟

"زیان صاحب۔ کیا آپ جج صاحب کو بتائیں گے کہ آپ مقتول،" سوال کو غور سے سنتی لڑکی نے آنکھیں سختی سے میچ لیں، دھڑکن تیز ہو گئی۔

"عالیان ہادی کو جانتے تھے یا نہیں؟"

"وہ میرا دوست تھا، سر۔ بہت عزیز دوست۔" آنکھوں میں نمی تھی، ایلیانہ کا دل چاہا اس کا گلا دبا دے۔

www.novelsclubb.com

''اور کیا آپ ان کی زوجہ کو جانتے ہیں جنہوں نے آپ پہ الزام لگایا ہے اس قتل کا؟'' اس سوال پہ زیان کی نگاہوں نے ایلیانہ کو ڈھونڈا تھا، اسے دیکھ کے وہ ایک پل کے لیے ٹھہرا اور پھر کہا۔

''جی ہاں، فیملی فرینڈز ہیں ہم، بچپن ساتھ میں گزرا ہے۔'' اس کی شہد رنگ آنکھیں ایلیانہ کا مذاق ہی تو اڑا رہی تھیں۔

''کیا آپ کی اور عالیان کی کوئی لڑائی چل رہی تھی؟''

''جی ہاں، وہ مجھے غلط سمجھ رہا تھا، جو زمین میں نے خریدی تھی اسے ہتھیائی ہوئی زمین کہہ رہا تھا۔ میں نے اسے سمجھایا کہ میں ناحق قبضہ نہیں کر رہا، اسی پہ بحث چل رہی تھی ہماری۔'' اس نے نارمل سے انداز میں کہا۔ وہ نپے تلے جواب دے رہا تھا، وہ محتاط تھا۔

www.novelsclubb.com

''آپ کو کیا لگتا ہے، مسز عالیان نے آپ پہ الزام کیوں لگایا؟ کیا اس الزام کا اس جھگڑے سے کوئی تعلق ہے؟''اس سوال پہ زیان نے گردن جھکائی،اور پھر ہولے سے کہا۔

''بچپن میں ایلیانہ کی چڑیا مر گئی تھی مجھ سے۔ بچپن کی غلطی تھی مگر اس کے دل میں بات رہ گئی،اتفاقاً جس وقت یہ حادثہ ہوا۔''اس نے آنکھیں میچیں، جیسے بہت دکھ تھا اسے۔ایلیانہ کی مٹھیاں بھینچ گئیں۔

''اس وقت ہماری بحث چل رہی تھی،ایلیانہ بچپن کے واقعے کے لیے مجھے اب تک معاف نہیں کر پائی، حالانکہ وہ بچپن تھا، سر۔وہ ایک چڑیا تھی، یہاں انسان کی بات ہو رہی ہے۔انسان بھی وہ جو میرا جگری یار تھا۔''اس کے لہجے میں افسوس تھا۔

قاتلوں میں یہ ایک بات ہوتی ہے، قتل کر دیتے ہیں مگر لہجے کی صفائی نہیں جاتی، اتنی سچائی سے جھوٹ بولتے ہیں کہ اندھا دھند یقین کرنے کو جی چاہتا ہے۔

''تو یعنی مسز عالیان واقعات کو آپس میں الجھا کر خود کسی کشمکش کا شکار ہیں؟''اس پہ ایلیانہ مسکرا دی، اذیت سے شاید، یا شاید اسے ہنسی آرہی تھی۔اس کے وکیل نے دوسرے وکیل کو ٹوکا، کہا کہ وہ کیس کا رخ موڑ رہا ہے۔

''یہ تو میں نہیں جانتا، سر۔ لیکن قتل ایک بہت بڑا الزام ہے۔میں نے خود کو آج تک اس چڑیا کے لیے معاف نہیں کیا، قتل کیسے کر سکتا ہوں؟''آہ،اس کی یہ معصوم سی ادا۔ایلیانہ بس اسے دیکھتی رہی۔تو یہ تھی اس کی پہلی چال؟

ایلیانہ احمد کو نفسیاتی طور پہ کمزور دکھانا،اسے پاگل قرار دے دینا۔

اس نے احمد کی طرف دیکھا،احمد نے ہلکا سا مسکرا کے اسے تسلی دی تھی۔وہ بسم اللہ پڑھ کے کٹہرے میں جا کھڑی ہوئی۔

www.novelsclubb.com

''مسز عالیان۔کیا آپ زیان کو جانتی ہیں؟''

''جی ہاں!''اس نے مختصر سا جواب دیا۔

''مزید کچھ پوچھنے سے قبل میں یہ جاننا چاہوں گا کہ آپ نے یہ الزام میرے کلائنٹ پہ کیوں لگایا؟'' ایلیانہ نے سر اٹھایا اور مطمئن سے انداز میں کہا۔

''میں نے دیکھا تھا انہیں، اپنی انہیں دو آنکھوں سے، اپنے شوہر پہ گولیاں چلاتے ہوئے۔'' وکیل مسکرایا۔

''آپ نے پچھلے چند ماہ صدمے میں گزارے ہیں، شدید ٹراما میں۔ یہ کوئی وہم بھی تو ہو سکتا ہے؟'' ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے کے لیے وہ مسکرائی تھی، وہ بالکل اسی طرح چل رہے تھے جیسا اس نے سوچا تھا۔

''غم کے شکار کی گواہی گواہی نہیں ہوتی؟ لیکن غم کے شکار تو آپ بھی ہیں وکیل صاحب، غم کے شکار تو سب ہوتے ہیں۔ لیکن میں آپ کی بات کا احترام کرتی ہوں۔ آپ نے کہا کہ گواہی قبول نہیں ہو گی، تو میں نے مان لیا۔ میری گواہی کے علاوہ جس بندوق کی گولی میرے شوہر کو لگی، وہ زیان صاحب کا خاندانی ورثہ ہے،

www.novelsclubb.com

کیا ہے ناہم فیملی فرینڈز ہیں، سو بچپن سے دیکھتی آئی ہوں ان کے گھر میں وہ بندوق۔"اس نے فیملی فرینڈز پہ زور دیتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ بھی اس بات کو ثابت نہیں کرتا کہ قاتل زیان ہے۔اگر ہم ایک پل کے لیے آپ کی اس بات کو چھوڑ دیں کہ قاتل زیان ہے، تو قتل تو آپ بھی کر سکتی ہیں۔اس طرح کے نوے فیصد کیسز میں آخر میں قاتل بیوی خود نکلتی ہے۔"

ایلیانہ کے اطمینان میں کمی نہیں آئی۔

"میں اپنے شوہر کے ساتھ تھی پورا وقت۔"اس نے کہا تو وکیل مسکرا دیا۔

"کیا ہے نا، مسز عالیان، آپ کو دیکھ کے نہیں لگتا کہ آپ نے مکھی بھی خود ماری ہو گی، ہو سکتا ہے آپ نے قتل کروایا ہو۔"اس بات پہ ایلیانہ ایک پل کے لیے ساکت ہوئی۔

www.novelsclubb.com

اس کیس کی سب سے بری بات یہ تھی کہ اسے بار ہا لفظ قتل سننا پڑ رہا تھا، جس حقیقت کو اس نے مانا نہیں تھا، اس کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

"عموماً کوئی بیوی اپنے شوہر کا قتل کیوں کرتی ہو گی، وکیل صاحب؟

پہلی وجہ، یا تو اس کا شوہر سنکی ہو، ظالم ہو، مارتا پیٹتا ہو، یا ڈرا دھمکا کے رکھتا ہو، وہ تو مجھ سے بہت محبت کرتا تھا، یہ جو میری خود اعتمادی ہے نا؟ اسی کی وجہ سے ہے، اسی نے سکھایا ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ شوہر بہت امیر ہو اور بیوی بہت لالچی، ہمارے کیس میں تو ایسا کچھ نہیں تھا، کبھی دولت کی کمی نہیں دیکھی میں نے۔

www.novelsclubb.com

اور تیسرا یہ کہ۔۔۔" وہ رک گئی، بات مکمل زیان کے وکیل نے کی تھی۔ اور بات مکمل ہوتے ہی دونوں نے آنکھیں میچ لی تھیں۔

اس کی شہد رنگ آنکھوں میں پشیمانی آئی تھی،اور سیکنڈ کے ہزارویں حصے کے لیے اور ایلیانہ احمد کا تو رنگ زرد پڑ گیا تھا۔

"تیسرا یہ کہ آپ کا کوئی چکر چل رہا ہو۔کسی اور سے محبت ہو آپ کو۔" وکیل کے یہ کہنے پر اس نے ایک بار گھائل سی نگاہوں سے زیان کو دیکھا تھا۔

اسے کم از کم اس وار کی توقع زیان حیدر سے نہیں تھی۔وہ بہت برا تھا،پر ایلیانہ احمد کی کردار کشی؟ یہ وہ آخری کام تھا جو زیان حیدر کر سکتا تھا،کم از کم ایلیانہ نے یہی سوچ رکھا تھا۔

نشست پہ بیٹھا داؤد غصے سے سرخ پڑا تھا،اس کی رگیں تن گئی تھیں۔وہ جانتا تھا کہ کچہری عورت کی عزت کا خیال نہیں رکھتی۔مگر وہ عورت اس کے بھائی کی بیوی تھی، جسے اس وقت سب مل کے منہ کے بل گرانا چاہ رہے تھے۔اس کا بھائی یہ برداشت کرتا؟

www.novelsclubb.com

احمد کی آنکھوں میں تعجب تھا، ان کا مان ٹوٹا تھا، دھمکانا اور بات تھی، کر دکھانا اور۔۔۔

''زیان صاحب شاید زیادہ ہی بے خبر رہے ہیں مجھ سے۔'' چند گہری سانسیں لینے کے بعد اس نے کہنا شروع کیا۔ کورٹ میں بیٹھے ہر شخص نے دیکھا کہ اسے گر کے اٹھنا سکھا دیا گیا تھا۔

''اسی لیے آپ کو یا انہیں معلوم ہی نہیں کہ دو سال پہلے 20 اگست کو میرے ساتھ ایک حادثہ ہوا تھا، اس حادثے نے مجھ سے چلنے کی صلاحیت چھین لی تھی، معذور اور محتاج ہو کر بستر پہ گزارے ہیں دو سال، کئی سرجریز ہوئیں مگر کامیاب آخری والی ہوئی، تقریباً چھ ماہ قبل ٹھیک سے چلنا شروع کیا ہے میں نے۔ گھر میں عالیان آتا تھا یا خاندان کی عورتیں۔ جو چل نہ سکے، وہ خاک چکر چلائے گا، سر؟''

اس کی آواز میں غم کے سائے تھے۔

''دیکھیں محترمہ، جس طرح یہ الزام بے بنیاد ہے، میرے مؤکل پہ لگایا الزام بھی بے بنیاد ہے۔ جب میرے مؤکل کہہ رہے ہیں کہ ان کی بندوق چرائی گئی تھی، ان کے ساتھ دو اور گواہ بھی یہی کہہ رہے ہیں تو آپ ان کو موردِ الزام کیسے ٹھہرا سکتی ہیں؟'' ایلیانہ بس انہیں دیکھتی رہی۔

''کیا پولیس نے اس کے گھر میں چھان بین کی؟ کیا کسی نے دیکھا کہ وہ جو کہہ رہا ہے وہ جھوٹ ہے یا سچ۔ سڑک کی فوٹیج کیسے غائب ہے؟'' اب کی بار ایلیانہ کے وکیل نے کہا تھا۔

کچھ دیر اور کاروائی چلی، ایلیانہ دیکھ سکتی تھی کہ کیس کس طرف جا رہا ہے۔

www.novelsclubb.com

عدالت کے اس کمرے میں تناؤ گرد و نواح سے زیادہ تھا۔۔جج فیصلہ سنانے والا تھا۔ ایک طرف کٹہرے میں وہ تھی جس کی آنکھیں سبز تھیں، کسی غم کی داستان سناتی ہوئیں، کسی کرب کا حال بتاتی ہوئیں۔ اور ان کے نیچے سیاہ حلقے تھے۔ بھورے بال

کیپچر میں مقید تھے۔اس نے نیلے رنگ کی عام قمیض پہن رکھی تھی۔دوسری طرف کٹہرے میں وہ لڑکا تھا جس کی شہد رنگ آنکھوں سے عجیب اطمینان جھلکتا تھا،وہی مصنوعی اطمینان جس کا خول ہر گنہگار گناہ کو جسٹفائے کرتے ہوئے خود پر چڑھا لیتا ہے۔کالے کپڑوں میں وہ اچھا لگ رہا تھا۔اور خوش بھی۔وہ جیت چکا تھا۔ فتح اس کا مقدر رہی تھی،دنیا کے بکے ہوئے انصاف نے اسے بچا لیا تھا۔

جج فیصلہ سنا رہا تھا،بلاشبہ جج بکا ہوا تھا۔زیان مسکرایا،اور پھر ایلیانہ پر فاتحانہ نگاہ ڈالی لیکن اس کو دیکھ کر اس کے تاثرات بدل گئے۔

فیصلہ سنتے ہوئے اس کی آنکھوں میں چند پل کے لیے اتنا کرب ابھرا تھا کہ اسے بھی ایک پل کے لیے ندامت نے گھیر لیا لیکن نفس نے فوراً جواز دے کر اطمینان کے خول کو مضبوط کر دیا۔گھڑی کی سوئیوں کی ٹک ٹک نے ماحول کو اور مضطرب بنایا ہوا تھا۔

فیصلہ سنا دیا گیا، سبز آنکھیں بجھنے لگیں، دل ڈوبنے لگا، سب نے اسے سمجھایا تھا، اسے بتایا تھا کہ تھم جائے۔ ذلت ہو گی، اور ہاتھ بھی کچھ نہیں آئے گا۔ وہ جانے کس امید کے سہارے چلتی رہی تھی۔ اب منہ کے بل گری تھی تو اٹھنے کی سکت تھی نہ وہ سہارا جسے تھام کے اٹھنے کا دل چاہے۔ کمرہ عدالت خالی ہونے لگا۔ وکیلوں نے مصافحہ کیا، لوگ نکلنے لگے۔ بس وہی اپنی جگہ سے ہلنے سے قاصر تھی۔ اس کی آنکھوں میں آج آنسو نہیں تھے، وہ بس ویران تھیں۔

احمد نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا، اسے کہا کہ وہ ساتھ چلے، اس نے جھرجھری لی تھی۔ پھر ایک جھٹکے سے سر اٹھا کے وہ باہر کی جانب برق رفتاری سے بڑھی تھی۔ احمد اس کے پیچھے گئے تھے۔ وہ زیان اور اس کے گارڈز کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"زیان حیدر!" ہانپتے ہوئے وہ چلائی تھی۔ وہ رک گیا، گارڈز نے بندوقیں اس پہ تانیں تو وہ مسکرا دی۔ پھر سر جھکا کے کہا۔

''اپنے ان ملازموں سے کہہ دو میں موت سے نہیں ڈرتی اور تمہاری طرح قتل کرنا بھی نہیں آتا، تو یا تو بندوق میں موجود ہر گولی میرے سینے میں اتار دیں یا دفع ہو جائیں اور مجھے تم سے بات کرنے دیں۔''اس کے کہنے کی دیر تھی، زیان نے اشارہ کیا اور سب دور جا کھڑے ہوئے۔

''تم خوش ہو نا؟'' بات کا آغاز ہوا۔ وہ عدالت کے باہر عدالت لگانے والی تھی۔

''لگ رہا ہے نا جیت گئے ہو؟ ذرا بتاؤ، یہ کیسی جیت ہوئی جہاں منصف ہی بکا ہوا تھا؟ انصاف خرید لو تو جیت جاتے ہیں کیا؟'' وہ بچوں کی طرح سوال کر رہی تھی۔ پھر سوال کے جواب میں نفی میں سر ہلایا۔

''تمہیں چڑیا کے لیے معاف کر دیا تھا میں نے۔ خدا کی قسم اگلے دن ہی اس کی قبر پہ بیٹھ کے کہا تھا کہ میں نے زیان حیدر کو معاف کیا۔ اور اللہ سے بھی کہا تھا کہ زیان کو اس کی سزا مت دیجیے گا۔ بس بھولی نہیں کبھی۔ کیسے بھول جاتی؟ وہ میری

www.novelsclubb.com

دوست تھی۔اس کی آنکھیں پسند تھیں مجھے۔''وہ رندھی ہوئی آواز کے ساتھ کہہ رہی تھی پر آنسو نہ آنکھ میں آیا، نہ آنکھ سے نکلا۔

''تم خود بتاؤ، زیان، اس بار کیسے معاف کروں؟اس بار تو تمہاری آنکھوں میں وہ پشیمانی بھی نہیں ہے جسے دیکھ کے دل کہتا تھا کہ زیان میرا دوست ہے!''آنکھوں میں نمی چمکی، آواز گھٹنے لگی۔

''ایک بات بتاؤ، خدا کی قسم کھا کے بتاؤ، ایک بار بھی ہاتھ نہیں کانپے تمہارے؟ ایک بار بھی نہیں سوچا کہ اپنے دوست کو مارنے لگے ہو؟ایک بار نہیں سوچا تم نے کہ جب کوئی دوست دوست کو مارتا ہے، تب حقیقت میں دوستی اور وفا کو مار دیتا ہے۔ایک بار نہیں سوچا کہ لوگ مخلصی پہ سوال اٹھائیں گے۔کہا کریں گے کہ محروم دوستی کے آسیب سے بھی بچو۔۔۔''ایک آنسو آنکھ سے نکلا اور گال پہ پھسلتا گیا۔

www.novelsclubb.com

''دل چاہ رہا ہے تمہارا گریبان پکڑ لوں، کیوں کہ یہ دل کی عدالت ہے، زیان صاحب، یہاں جج، جلاد اور جیوری وہ الہام ہے جو دل کو ہوا تھا، جس نے بتایا تھا کہ تم مار دو گے مجھے۔ یہاں سزا دینے کا اختیار میرے پاس ہے، اور جانتے ہو سزا کیا ہو گی ؟ایسی سزا ہو گی کہ ایک دن تم سوچو گے کہ کاش اس دنیا کی عدالت میں سزا پا لی ہوتی، یہاں زیادہ سے زیادہ کیا ہوتا؟ عمر قید یا پھانسی ؟ کیا ان میں سے ایک سزا بھی اس سزا سے بڑی ہے کہ وہ لڑکی جس نے اس ٹرک ڈرائیور کو بھی معاف کر دیا جس نے اسے معذور کر دیا تھا، تم سے معاف کیے جانے کا حق چھین لے ؟اور اللہ سے بھی یہ نہ کہے کہ غلطی ہو گئی ہو گی اللہ جی، اسے معاف کر دیں۔ اللہ کی سزا سے بچ جاؤ گے، زیان ؟ ضمیر کی عدالت خرید سکتے ہو؟''سوال تھا یا کوئی تمانچہ جو اس قاتل کے منہ پہ دے مارا تھا اس نے۔ وہ رخ موڑ کے آگے بڑھ گئی۔ اسے آگے بڑھنا ہی تھا۔ پیچھے وہ چند لمحے وہیں کھڑا رہا۔

www.novelsclubb.com

کہیں بہت اندر کوئی اس سے پوچھ رہا تھا، ضمیر کی عدالت کتنے میں بکتی ہو گی؟ بکتی ہو گی بھی تو اس کی یہ اوقات تھی کہ اسے خرید سکے؟

•••••

وہ گھر آگئی تھی سب کے ساتھ پر گھر کہاں آئی تھی؟ خود کو شاید اسی کمرہ عدالت میں چھوڑ آئی تھی۔ شام کے پانچ بجے تھے جب تڑپ کے بولی، ''میرا دم گھٹ رہا ہے یہاں!'' اپنے کمرے کو چھوڑ کر وہ بالکونی میں جا بیٹھی تھی۔ پر بیٹھ کے چین کہاں آنا تھا؟ وہ ادھر ادھر چکر کاٹ رہی تھی، جب وہ ہیولہ سامنے آیا۔

''بے چین کیوں ہو؟'' اس نے سوال کیا تھا، اور ایلیانہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا، بس اتنی سی دیر تھی، ٹوٹ گیا ضبط۔

www.novelsclubb.com

آنسو چہرہ بھگونے لگا اور آواز مکمل گھٹ گئی، گھٹی ہوئی آواز میں وہ کہہ رہی تھی۔

"تم کیوں گئے مجھے چھوڑ کر؟ تم جھوٹے ہو ایک نمبر کے، میری زندگی برباد کر دی ہے تم نے!" وہ چلاتے ہوئے بول رہی تھی۔

اس نے ہمت بڑھانے کے لیے کندھے پہ ہاتھ رکھنا چاہا تو اس نے ہاتھ جھٹک دیا۔

"تمہارے آنے سے پہلے میں اداس رہا کرتی تھی، رویا کرتی تھی، زندگی سے نفرت کرتی تھی، تم نے مجھ پہ بڑا ظلم کیا۔ میری زندگی میں آئے روشنی بن کے، مجھے زندگی سے محبت ہونے لگی، مجھے ہنسنا سکھایا، جینا سکھایا، اپنے ساتھ جینا سکھایا۔"

اس نے سانس کھینچا، گویا سانس لینے میں مشکل پیش آ رہی ہو۔

"اور پھر مجھے مار دیا؟ اور مجھے مار کر میرے ہی جسم میں دفنا گئے؟ مجھے اپنے ساتھ جینا سکھا کر مجھے چھوڑ گئے۔ تم تو کہتے تھے کہ میرا رونا تمہیں اچھا نہیں لگتا، یوں لگتا ہے کہ کسی نے تمہارے دل پہ نشتر مارے ہوں، پر تم میری زندگی سے آنسوؤں

www.novelsclubb.com

کے سواسب لے گئے۔ ہر روشنی لے گئے۔ سن رہے ہو ناتم، تم نے مار دیا ہے مجھے!" سسکتے ہوئے وہ اس سے کہہ رہی تھی، یعنی خود سے کہہ رہی تھی۔

"آنا!" اس نے پھر نام لیا تھا اس کا، کمبخت نام لیتا تھا، اور نام لے کے مار دیتا تھا، آگے کی بات کرتا ہی نہیں تھا۔

"مجھے اس کی یاد آتی ہے!" اب گویا ہتھیار ڈال دیے تھے اس نے، ہار مانتے ہوئے اقرار کیا تھا۔

"تم مجھے کبھی نہیں بھولتے، عالیان۔ تمہارے ساتھ گزارا ہر لمحہ یاد آتا ہے۔ میں تم سے ناراض نہیں ہوں، تم سے ناراض ہو گئی تو جینے کی سمجھو آخری امید کھو دی۔ پر مجھے تکلیف ہوتی ہے، جب ہر جگہ تم ہوتے ہو اور حقیقت میں کہیں بھی نہیں ہوتے! میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں اللہ تعالی سے جج کی شکایت کروں۔۔ کہوں کہ اللہ جی آپ نے تو منصف بنایا تھا اسے، انصاف کا رکھولا، یہ تو انصاف کے نام پہ

www.novelsclubb.com

تہمت بن بیٹھا ہے، یہ تو عدل بیچ بیٹھا ہے! میرا دل چاہتا ہے میں اللہ سے کہوں کہ اللہ جی، آپ کے بندے بہت ظالم ہیں، جب انہیں پتہ چل جائے کہ فلاں چیز کا اختیار ہے ان کے پاس، تو وہ چیز اوروں کے پاس رہنے نہیں دیتے۔ جب پتہ لگے کہ یہ انصاف دے سکتے ہیں، تو مکر جاتے ہیں؛ جب انہیں پتہ لگ جائے کہ کوئی انہیں دیکھ کے جیتا ہے، تو بچھڑ جاتے ہیں۔" آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور وہ خلاء سے بات کرنے میں مصروف تھی۔ بالکنی میں پڑی سیاہ کرسیوں اور میز کو اس پہ ترس آیا، آسمان اس کو دیکھ کر اداس ہو گیا۔ چند پتے اس کی غم گساری میں درختوں نے گرائے۔

•••••

www.novelsclubb.com

وہ سیاہ آنکھیں اسے دور سے دیکھ رہی تھیں، دل میں ایک کسک سی تھی، ایک ملال سا۔ اس لڑکی کے ہاتھ میں ایک مگ تھا، اس مگ کو دیکھتے ہوئے وہ اداسی سے مسکرایا تھا، وقت پیچھے کو سفر کرنے لگا تھا، وہ اس اداس سی، سرد سی دوپہر میں پہنچ

گیا جہاں وہ پتوں کو جھڑتا دیکھ رہا تھا اور کسی سوچ میں، کسی گمان میں گم تھا۔ پھر اسے وہ لڑکی دکھی جو ہیزل رنگ کے لمبے کافتان میں ہمیشہ کی طرح بہت خوبصورت دکھ رہی تھی، اس کی ناک سردی کی شدت کی وجہ سے لال پڑ رہی تھی، اور اس کے ہاتھ میں ایک ڈسپوزیبل مگ تھا۔

داؤد جو بنچ پہ بیٹھا جھڑتے پتوں کو دیکھ رہا تھا، اس ہنس تک گیا اور عادتاً مگ کو تھام کے ایک گھونٹ بھرا۔ پھر اس کے چہرے کے زاویے بگڑے، بے تاثر چہرے پہ تاثر ابھرے۔ اور پھر اس کی آواز نکلی۔

''یہ کافی نہیں ہے؟'' اس نے پوچھا تھا۔

www.novelsclubb.com

''اب میں کافی نہیں پیتی۔'' آواز اداس سی تھی۔

داؤد جو پہلے اسے یوں دیکھ رہا تھا گویا چڑ گیا ہو، اب کھل کے مسکرایا۔۔۔ پھر دیکھتے دیکھتے سر جھکا کے ہنس دیا۔

"مجھے ویسے بھی چائے ہی پسند ہے ہمیشہ سے۔" وہ سر جھکا کے ہنستا گیا۔ ماریہ کی بھنویں سکڑ گئیں، پھر مٹھیاں بھنچ گئیں۔ دل بھر آیا، آنکھیں بھی بھر آئیں۔ اس ہنستے ہوئے شخص کے سر اٹھانے تک آنسو بہنے لگے تھے۔

وہ گڑبڑا گیا، اسے پشیمانی نے گھیر لیا تھا۔

"سمجھتے کیا ہیں آپ خود کو، داؤد عمر؟ آپ چاہیں تو میرے مگ کو میرے ہاتھوں سے لے کر میری کافی ہو یا چائے، حق دعوے سے پی سکتے ہیں، میری چیزوں پہ حق دکھا سکتے ہیں اور میں؟ میں اظہار تک کروں تو بھی آپ کو برا لگتا ہے؟" داؤد کی تو سیٹی گم ہو گئی تھی۔ وہ اسے چاروں شانے چت کر چکی تھی۔

www.novelsclubb.com

"آپ کون ہوتے ہیں میری زندگی کے فیصلے کرنے والے؟ مجھے بتانے والے کہ فلاں سے محبت نہیں کرنی، فلاں اس کے لائق نہیں ہے۔ ہیں کون آپ؟ ایک

سٹوپڈ سرجن!'' یہ محبت بھی عجیب ہوتی ہے نا، پہاڑوں سے مضبوط انسان کو قدموں میں ڈھیر کر دیتی ہے۔

''میں نے محبت کی ہے، گناہ نہیں جو خاموش رہوں۔ جو اظہار نہ کروں۔

میں آپ کو یہ نہیں کہوں گی کہ میرا ہاتھ تھام لیں۔'' اس نے ہاتھ ہوا میں اٹھایا، اسے حسرت سے دیکھا اور پھر اسے واپس سے گرا لیا۔

''یہ نہیں کہوں گی کہ آپ نے ہاتھ نہ تھاما تو میں گر جاؤں گی۔ میں نے ایسی محبت نہیں کی جو مجھے گرا دے۔'' وہ نم آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

''میں آپ سے یہ نہیں کہوں گی کہ میری آنکھوں کے سامنے رہیں۔ میری محبت دید کی محتاج نہیں۔'' ایک بات تو وہاں گرتے پتوں نے بھی دیکھی تھی، اس لڑکی نے ایک لمحے کے لیے سامنے کھڑے شخص کو آنکھ بھر کے دیکھا تھا۔

www.novelsclubb.com

''میں یہ نہیں کہوں گی کہ آپ نہ ملے تو میں محبت میں راکھ ہو جاؤں گی۔ سلگ سلگ کے مر جاؤں گی۔ مجھے جل کے راکھ ہو جانا کبھی برا لگا ہی نہیں۔'' اس نے آسمان پہ براجمان سورج کو دیکھا۔ پھر کندھے اچکائے اور اداس آنکھوں کے ساتھ مسکرا دی۔

در حقیقت وہ سورج کی روشنی کی وجہ سے چھپ چکے ستاروں کو دیکھ رہی تھی۔

''میں نے وہ محبت نہیں کی جس میں محبوب نہ ملے تو جینا نہیں آتا۔ میں نے تو مرتے ہوئے بھی مسکرانا سیکھا ہے۔''

وہ اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ اپنے لب کاٹتا رہا، اس کی رگیں تن چکی تھیں۔

www.novelsclubb.com

''میں تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا۔'' اس نے بالآخر منہ پہ لگا قفل توڑا۔ پتوں نے اسے تحیر سے دیکھا، اس کے منہ میں اب بھی زبان تھی؟ محبت کا گنہگار ہو کر بھی کٹہرے میں بولنا آتا تھا اس کمبخت کو۔

''بس ایک یہ بات نہ کہیں۔ مجھ سے یہ نہ کہیں کہ میں آپ کی راہ روشن نہ کروں، مجھ سے یہ نہ کہیں کہ میں آپ کی مدد نہ کروں۔ میں نے محبت کرنا ستاروں سے سیکھا ہے۔ ستارے جلیں نہ تو مر جاتے ہیں، فنا ہو جاتے ہیں۔'' ایک آنسو نے بغاوت کی۔ وہ آنسو سامنے کھڑے شخص کے دل کو چیر گیا تھا۔

''میں محبت کے بدلے محبت کا مطالبہ نہیں کرتی۔ پر مجھے یہ نہ کہیں کہ میں محبت چھوڑ دوں، مجھ سے یہ نہ کہیں کہ میں آپ سے محبت نہ کروں۔ کیا یہ سمجھنا اتنا مشکل ہے، کہ جس محبت کے درد نے لوگوں کو مارا ہے، میں اس کے بنا جینے لگی تو مر جاؤں گی؟'' وہ بڑے ڈھکے چھپے انداز میں اسے یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ اس نے درد پہ اکتفا کر کیا ہے۔ اب وہ بھی چھن گیا تو۔۔ تو وہ بجھ جائے گی، مر جائے گی، فنا ہو جائے گی۔

اور سامنے کھڑا شخص اب مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑا تھا۔

وقت واپس آگیا، وہ اسے دور سے دیکھ رہا تھا، جیسے زمین پہ کھڑا کوئی عاشق آسمان کو دیکھتا ہو۔ جیسے آسماں تک جاتی چکور چاند کو دیکھتی ہو، یا جیسے اپنے مدار میں گھومتا چاند سورج کو دیکھتا ہو۔

"مجھے آپ زہر لگتے ہیں!" اس نے اس دن اس سے کہا تھا، داؤد عمر اسے کیا بتاتا کہ اسے اپنا آپ کتنا زہر لگتا تھا۔

اس نے سر جھکا دیا۔ وہ مجرم تھا، اب اسے سر اٹھا کے چلنا زیب نہیں دیتا تھا۔

•••••

دوپہر کے دو بج رہے تھے، سورج مکمل نکلا تو نہیں تھا مگر تھوڑی بہت روشنی تھی اس کی جو کہ اس کھانے کی میز پہ پڑ رہی تھی۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو سب نے دیکھا، اس کی سوجی ہوئی لال آنکھوں کو، اور ان کے نیچے پڑے سیاہ حلقوں کو۔ ماں کے دل کو ہاتھ پڑا تھا، تڑپ کے پوچھا۔

www.novelsclubb.com

''طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟'' وہ اٹھ کے اب اس کی پیشانی پہ ہاتھ رکھ کے دیکھ رہی تھیں۔اس نے ہاتھ جھٹک دیا،اور دور ہٹتا گیا۔وہ میز کی طرف ہراساں نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''ٹیبل پہ خون ہے، ممی!'' وہ چلایا تھا۔

''کسی کو چوٹ لگی ہے، ممی، خون ہے ٹیبل پہ۔۔۔'' وہ مسلسل چلاتا رہا،اسکی ماں اس سے خوفزدہ ہو گئیں،نوکر کانوں میں باتیں کرنے لگے تو انہوں نے ڈانت کے انہیں کمرے سے نکال دیا،اب وہ ایک طرف، گھٹنوں میں سر دیے اس انیتس سالہ مرد کے پاس گئیں جو کہ مسلسل چلا رہا تھا اور رو رہا تھا۔

''ٹیبل پہ کچھ نہیں ہے،زیان۔کچھ بھی نہیں!'' انہوں نے اس کے کندھوں پہ ہاتھ رکھ کے کہا،وہ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھی تھیں۔

''تمہیں کیا ہو گیا ہے، زیان؟ نہ ٹھیک سے کھاتے ہو، نہ کچھ اور۔ عجیب و غریب باتیں کرتے ہو۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے، بیٹے۔ ڈاکٹر کے پاس چلو۔'' وہ اس کے کپکپاتے ہوئے جسم کو دیکھتے ہوئے بول رہی تھیں۔

اس نے سر اٹھایا تو وہ آنکھیں ان کے بیٹے کی نہیں تھیں، کسی غیر کی تھیں۔ وہ اٹھا اور اپنی ماں کی پکار کو نظرانداز کرتا ہوا باہر بڑھ گیا۔ وہ کوئی دیوانہ دکھ رہا تھا۔

امینہ نے فوراً اپنے شوہر کو کال کی تھی، چوتھی گھنٹی پہ کال اٹھالی گئی۔

وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''زیان، وہ۔۔ا۔۔اس کی طبیعت خراب ہے، حیدر۔ اسے۔۔۔ وہ اکیلا باہر۔۔اس کو ڈھونڈیں۔ اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر چلیں۔'' وہ سسکتے ہوئے کہتی گئیں۔

مقابل کے اطمینان میں فرق نہیں آیا۔

www.novelsclubb.com

''آسمان سے زمین پہ آ گئے ہیں، صاحب زادے! مبارک ہو، امینہ بیگم۔ان کے اندر کا انسان کوما سے نکل آیا ہے۔اب دعا کیجیے کہ اپنے اندر کے انسان سے بچ جائیں یہ۔'' ان کے بہتے آنسو تھم گئے، ان کے گال غصے سے سرخ پڑے اور انہوں نے چلا کے پوچھا تھا۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، حیدر۔وہ آپ کا بیٹا ہے۔'' ان کی آواز میں خوف سا تھا۔

''اسی بیٹے نے کسی کے بیٹے کا قتل کیا تھا، امینہ۔اب ضمیر جاگ گیا، سزا تو بھگتنی پڑے گی۔'' وہ اسی اطمینان سے کہہ رہے تھے، مگر صرف آواز میں ہی اطمینان تھا، خود تو وہ آفس سے فوراً باہر نکل کے گاڑی میں بیٹھ رہے تھے۔ قاتل تھا کمبخت، مگر تھا تو اکلوتا بیٹا نا!

www.novelsclubb.com

''کون سا قتل؟ یہ الزام ہے!'' ماں کے اندر کی شیرنی بپھر گئی تھی۔

"کورٹ نے معصوم ثابت کیا ہے میرے بیٹے کو۔ آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں، حیدر۔" وہ گھر میں بے بس ہو کر بیٹھی تھیں، اور حیدر جانتے تھے کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ دونوں میں اتنا ہی فرق تھا جتنا جاننے والے اور انجان میں ہوتا ہے۔ انجان ذرا سکھ میں ہوتا ہے۔

"کورٹ کو چھوڑ دیں، اس کے دل کی عدالت کا بتائیں۔ کیوں سو نہیں پاتا راتوں کو؟ دن میں دیوانوں سا کیوں رہتا ہے؟" وہ یہ کہہ کے فون کاٹ چکے تھے۔

دوسری طرف سکھ ختم ہو چکا تھا، خوف بازی لے گیا تھا۔ یہ سوچ کہ ان کی روح تک کانپ گئی تھی کہ وہ ایک قاتل کی ماں ہیں۔

دوسری طرف حیدر کی گاڑی ایک قبرستان کے باہر رکی تھی، وہ بنا کچھ سوچے اندر بڑھ گئے۔ انہوں نے نیلا کوٹ پینٹ پہن رکھا تھا، اندر داخل ہوتے ہی وہ اس قبر کی طرف بڑھے اور اندازے کے عین مطابق دس قدم کے فاصلے پہ رک گئے، وہ

وہاں گھٹنوں کے بل گرا ہوا تھا، آنسو ٹپ ٹپ بہہ رہے تھے، پورا جسم کپکپا رہا تھا۔

حیدر نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تو اس نے جھرجھری لی۔

اور پھر گھٹی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

''وہ میرا دوست تھا، بابا۔ میں اسے کیسے۔۔۔ کیسے مار سکتا تھا!'' وہ ایک ہی بات دہراتا جا رہا تھا اور پاگلوں کی طرح روتا جا رہا تھا۔ اپنی چھاتی پیٹتے ہوئے چلاتا جا رہا تھا۔ باپ نے کچھ نہیں کہا، وہ وہاں کھڑا رہا حتیٰ کہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے اس شخص کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ کپکپاہٹ رکنے لگی اور جسم ساکت ہو گیا۔ وہ منہ کے بل گر گیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ اپنے گھر میں، اپنے کمرے میں تھا۔ بے سدھ، بے جان پڑا تھا۔ ماں اس کے سرھانے بیٹھی تھی۔ وہ اپنے میاں سے، پوری دنیا سے روٹھ کے بیٹھی تھیں۔ کسی کی اتنی مجال کیسے ہوئی کہ ان کے بیٹے پہ اتنا گھناؤنا الزام لگائے!

•••••

رات نے شام کی جگہ لے لی تھی، آسمان نیلے سے سیاہ رنگ کا ہونے لگا تھا، لاہور کے اس پوش علاقے میں کھڑے اس بنگلے کے ارد گرد بہت سناٹا تھا، وہ گھر بھی آج بالکل خاموش تھا، اپنے اندر رہنے والوں کی طرح۔ اچانک خاموشی میں ایک آہٹ کی آواز ابھری۔ نومبر کا اختتام تھا، سردی کی نئی نئی آمد تھی، فضا میں گیلی مٹی سی خوشبو شامل تھی، وہ اٹھا تھا، بھاری پڑتے قدموں کے ساتھ۔ کھڑکی کے پٹ وا کر کے لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ باہر سے کچھ روشنی اس تاریک کمرے کو روشن کرنے لگی۔

سانس لیتے ہوئے وہ لڑکا کپکپانے لگا تھا، مگر وہ مکمل پسینے میں شرابور بھی تھا۔ اچانک دروازہ کھلنے کی آواز آئی، دروازہ کھولنے والے نے بتیاں بھی جلادی تھیں۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا، تو اس کی ماں جو کمرے میں داخل ہو رہی تھی سہم کر اس کے پاس برق رفتاری سے آئی تھیں۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں، زیان؟ ڈاکٹر پاس بھی نہیں جاتے تم؟ کیوں ستا رہے ہو مجھے؟'' ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ وہ اس کے چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں لیے بہت اپنائیت اور دکھ بھرے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

''امی!'' اس نے ان کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے دھیمی سی آواز میں کہا۔

وہ آئینے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ آئینے تک پہنچ کر اس نے اپنی پیشانی کو چھوا، اس کی سرخ پڑتی آنکھوں میں آنسو بھرنے لگے تھے۔ مٹھیاں بھینچ گئی تھیں، دیکھتے دیکھتے ہاتھ کا مکا بنا کر اس نے شیشے پہ پوری قوت سے دے مارا، شیشہ چکنا چور ہو گیا، اس کی چھوٹی چھوٹی کرچیاں اس کے ہاتھ میں پیوست ہو گئیں۔ خون کی قرمزی لکیریں ہاتھ سے نکل کر کلائی کو بھگونے لگیں۔ پیچھے سے اس کی ماں چلاتے ہوئے اس تک آئی تھیں۔

''یہ کیا بے وقوفی ہے، زیان؟ کیا کرتے ہو تم؟'' وہ اس کے زخمی ہاتھ پر سے خون اپنے دوپٹے سے ہی صاف کرنے لگی تھیں۔

''کیوں تم نے قسم کھا رکھی ہے ماں کو مار کے دم لینے کی؟'' ان کی آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر آنسو گرنے لگے۔

''میری پیشانی پہ کچھ لکھا ہے، امی!'' زیان نے ڈرتے ڈرتے کہا تو اس کی روتی ماں کا وجود ساکت ہو گیا۔

انہوں نے چہرہ اٹھا کے اس کی طرف دیکھا۔

''کچھ نہیں لکھا، زیان۔ مجھے ڈراؤ مت!'' انہوں نے منت ہی تو کی تھی۔

www.novelsclubb.com

''لکھا ہے، امی!'' اس نے زخمی ہاتھ ان کی گرفت سے چھڑوایا اور اپنی پیشانی پہ دونوں ہاتھ رگڑنے لگا، وہ کچھ ایسا مٹانا چاہ رہا تھا، جو وہاں لکھا ہی نہیں تھا۔

یا شاید کچھ ایسا جو اس کے مقدر میں اتنا بڑا کر کے لکھ دیا گیا تھا، کہ وہ چاہ کے بھی اسے مٹا نہیں سکتا تھا۔

"میری پیشانی پہ کچھ لکھا ہے، امی!" اب کی بار وہ چلایا تھا، اٹھ کر واش روم گیا اور پانی کا نل کھول کر چہرے پہ پانی کے چھینٹیں مارنے لگا۔

اس کی پیشانی اب سرخ پڑنے لگی تھی۔ پیچھے سے اس کی ماں مسلسل چلا رہی تھیں۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اسے اپنی طرف لانا چاہا تھا۔

"بیٹے چھوڑو۔ تم مجھے بتاؤ کیا لکھا ہے، میں مٹا دیتی ہوں۔ تم مجھے بتاؤ، چندا!" ان کی اس بات پہ زیان نے چہرہ اٹھا کے انہیں دیکھا، اس کا جسم کپکپا رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

"قاتل لکھا ہے!" اس نے ہچکی لی۔

"قاتل لکھا ہے، امی! قتل کیا ہے میں نے۔" اس کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے تھے۔

''مٹا سکتی ہیں، امی؟ مٹا دیں پلیز۔ مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے!'' وہ گھٹنوں کے بل گر چکا تھا، اس کا پورا وجود ہچکولے کھا رہا تھا، اور وہ ماں جو اپنے بچے کے کردار کی گواہی دے رہی تھی، بے یقین ہو کر پیچھے ہوتی گئی، حتی کہ ان کے قدموں سے جان نکل گئی اور وہ خود بھی گھٹنوں کے بل گر گئیں۔

وہ چلانے لگی تھیں، اپنی چھاتی کو پیٹتے ہوئے رونے لگی تھیں۔ ان کے بیٹے نے۔۔۔ کیا واقعی ان کے چھوٹے سے، معصوم سے زیان نے قتل کر دیا تھا؟

''نہیں۔'' وہ بڑبڑائی تھیں۔ شاک کے عالم میں۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' وہ بے بسی سے پوچھ رہی تھیں، پھر اچانک مقتول کا چہرہ ذہن کے پردوں پہ لہرایا۔

www.novelsclubb.com

''نہیں!'' وہ چلائی تھیں۔ زندگی اتنی سفاک کیسے ہو سکتی تھی؟ ان سے ان کے بیٹے کو کیسے چھین سکتی تھیں؟

ہاں، بیٹا تو چھن گیا تھا ان کا۔4 دسمبر کو جب اس نے پہلی بار بندوق اٹھائی تب ہی مر گیا تھا۔

یہ سامنے تو کوئی اجنبی بیٹھا رو رہا تھا، سامنے جو تھا وہ تو قاتل تھا، وہ کتنی بے وقوف تھیں؟ پورا سال ایک اجنبی قاتل کے ساتھ رہیں اور اپنے مردہ بیٹے کا غم بھی نہیں کیا۔ کیسی ماں تھیں وہ؟

•••••

اتوار کی وہ دوپہر بہت سرد سی تھی، وہ اسلام آباد کی ایک مصروف سی سڑک کے کنارے گروسری سٹور کے سامنے کھڑی تھی۔اس کی سبز آنکھوں نے گروسری سٹور کو دیکھا اور پھر اپنے موبائل پہ بنائی گئی فہرست کو۔ پھر اس نے یونہی نظر اپنے پیچھے کھڑی سڑک پہ ڈالی۔ ٹریفک تیزی سے رواں تھا،اس کی نظر ایک نقطے پہ اٹک گئی، پہلے لگا کہ وہم ہے، آنکھوں میں بے یقینی سی ابھری، پھر شک یقین میں بدلنے

لگا اور بے یقینی کا تاثر خوف میں۔ وہ بھول گئی کہ وہ اس سڑک پہ کیوں کھڑی تھی، یاد رہا تو بس اتنا کہ سڑک پہ وہ ایک شخص ہوش و حواس سے بیگانہ ہو کر چل رہا تھا۔

وہ چلائی تھی۔

ٹریفک بہت تیز تھا، ہارن اور گاڑیوں کی آوازوں میں اس کی آواز دب گئی۔

''ڈاکٹر!'' وہ پھر چلائی تھی، کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ وہ شخص آگے بڑھ رہا تھا بس۔ یہ وہ لمحہ تھا جب وہ لڑکی بنا کچھ سوچے بھاگی تھی، اس شخص کی جانب، یہ سوچے بغیر کہ ٹریفک کتنا تیز تھا اور یہ بھی سوچے بغیر کہ وہ خود وہی حرکت کر رہی تھی جو وہ شخص کر رہا تھا۔

پر کچھ لوگوں کے لیے انسان اندھا ہو جاتا ہے، کچھ انسانوں کے لیے عقل پہ پردہ پڑ جاتا ہے۔ اس کی عقل پہ بھی پڑ گیا تھا۔

www.novelsclubb.com

جب اس نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تو وہ شخص جیسے ہوش میں آیا تھا، اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور ان کے نیچے سیاہ حلقے تھے۔ ماریہ نے بیچ سڑک پہ ٹریفک کی پرواہ کیے بغیر اس پہ چلانا شروع کر دیا تھا، داؤد جس کی آنکھوں میں پہلے کوئی تاثر نہیں تھا، یکدم شناسائی کا تاثر ابھرا۔ اور پھر اس کی سماعتوں نے اس لڑکی کو چلاتے سنا۔

''بیچ سڑک پہ کوئی پاگل ہی یوں کھڑا ہو سکتا ہے۔ آپ مجنوں ہیں؟ یا کوئی سوپر مین جس کے ساتھ ایک آدھ حادثہ ہو جانے سے کچھ نہیں ہو گا۔ دراصل بات یہ نہیں ہے، آپ کو خود کشی کا شوق ہے!'' اس کی رگیں تنی ہوئی تھیں اور وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر سڑک کے کنارے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وہ ہانپ رہی تھی اور غصے کی وجہ سے کپکپانے بھی لگی تھی، مگر ہاتھ اس نے تب ہی چھوڑا جب سڑک کے کنارے پہنچ گئی، پھر وہاں پہنچ کر اس نے اس شخص کو شعلہ باز نگاہوں سے دیکھا۔

"دماغ ٹھیک ہے آپ کا یا کسی نیلامی میں بیچ چکے ہیں؟ بہت شوق ہے آپ کو مرنے کا؟" غصے سے چلاتے چلاتے اچانک اس کی آنکھیں نم پڑنے لگی تھیں اور داؤد عمر تو بے چارہ بنا کھڑا ہوا تھا، اسے پہلے کچھ سمجھ نہیں آیا، پھر سمجھ آیا اور یاد بھی آیا، اور اچانک نظر اپنے پہلو میں گرے اپنے ہاتھ پہ گئی جس میں شدید درد بھی جاگا تھا۔ ماریہ کی نگاہوں نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا اور اگلے لمحے جو آنسو صرف آنکھوں میں تھے، وہ ٹپ ٹپ گرنا شروع ہو گئے۔

"کیا ہیں آپ داؤد عمر؟ خود کو کیا سمجھتے ہیں؟ زندگی سے اتنی نفرت ہے آپ کو؟" وہ روتے روتے اپنے بیگ کو کھول کے اس میں جھانک رہی تھی، پھر اس نے اندر سے ایک پٹی نکالی، اور وہ مسلسل آنسو بہاتے ہوئے اب اسے ایک طرف اشارہ کر کے بیٹھنے کا حکم دے رہی تھی۔ داؤد چپ چاپ وہاں جا بیٹھا۔ اور ماریہ اپنا غصہ دکھاتے ہوئے، آنسو بہاتے ہوئے اس کی پٹی کرنے لگی۔

''کبھی نہیں سوچا آپ نے کہ کوئی آپ کو دیکھ کے جیتا ہو گا؟ آپ کے والدین؟ گھر والے؟ دوست؟ کسی کا خیال نہیں ہے آپ کو۔ بہت خود غرض ہیں آپ!'' سفید پٹی کو اس کے ہاتھ پہ باندھتے ہوئے وہ ایک لمحے کے لیے بھی خاموش نہیں ہوئی تھی۔

''میں خودکشی کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔'' اس نے نحیف سے لہجے میں کہا تو اس کی آنکھیں غصے سے سرخ پڑنے لگیں، مٹھیاں بھنچ گئیں۔

''بالکل، بیچ سڑک پہ تو آپ گاڑیوں کی آواز سے لطف اندوز ہونے کے لیے کھڑے تھے۔'' وہ کھینچ کے سانس لیتے ہوئے اب بھی اسی ترش لہجے میں کہہ رہی تھی۔

www.novelsclubb.com

''میں اپنے گھر میں تھا، سبزیاں کاٹتے ہوئے ہاتھ کٹ گیا، میں بس فارمیسی تک آیا تھا۔۔'' اس کا لہجہ چیخ چیخ کے کہہ رہا تھا کہ اس کی بات سچی تو نہیں ہے۔

''جھوٹ کہہ رہے ہیں آپ۔ جھوٹے ہیں آپ !اور کون سی فارمیسی ہے جو بیچ سڑک کے کھلتی ہے ؟''اب چلاتے چلاتے تھک چکی تھی وہ، سو بے بسی سے پوچھ رہی تھی۔اس کے کندھے ڈھلک چکے تھے، پیشانی پہ بل ہنوز قائم تھے۔

''سوری !''اس نے بھی اسی بے بسی سے جواب دیا تھا۔

''مگر "مجرم دفاع نہیں کرتے، سزائیں بھگتتے ہیں۔''یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔

''خدا کا واسطہ ہے یہ سب میرے سامنے تو نہ ہی کہیں آپ۔ مجرم نہیں ہیں آپ، خود کو غلط سمجھنا چھوڑ دیں۔مان لیں کہ زندگی ملی ہے آپ کو، خدا سے لڑنا چھوڑ دیں، اور جینا شروع کر دیں۔ورنہ یہ زندگی مہلت تو شکر گزاروں کو نہیں دیتی، آپ کون ہیں داؤد عمر ؟''اس نے اتنا کہا اور آگے بڑھ گئی، وہ بھول چکی تھی کہ وہ یہاں کرنے کیا آئی تھی۔اسے بس اپنے گھر جانا تھا۔اس شخص سے دور جانا تھا

www.novelsclubb.com

جس کے لیے زندگی ایک تماشا تھی۔ پیچھے کھڑا داؤد جو پریشان تھا، پہلی ملاقات یاد آنے پہ ہلکا سا مسکرا دیا۔

یوں ہی تو ملی تھی یہ لڑکی، اسے خودکشی سے روکتے ہوئے۔۔۔

سر پہ کھڑا سورج تاسف سے ان دونوں کو دیکھتا رہا جن کے لیے زندگی ایک مذاق تھی۔

•••••

عصر کی اذان ہو چکی تھی، اس وقت اس جگہ مکمل خاموشی تھی، اتنی خاموشی کہ سوئی کے گرنے کی بھی آواز آجاتی، اور ویرانی؟ وہ تو اس جگہ کا خاصہ تھی۔

www.novelsclubb.com

ویرانی تو ازل سے اس جگہ کا مقدر تھی، غموں کا ایک اچھا ٹھکانہ تھی وہ جگہ۔

قبرستان کی ہوا میں ایک عجیب سا تناؤ تھا، وہ جیسے جیسے قدم اٹھا رہی تھی، قدم بھاری پڑتے جا رہے تھے، وہ اس قبر سے چند قدم کی دوری پہ تھی جب اپنے ہی جوتوں

کے تسموں میں اس کا پاؤں اٹکا اور وہ منہ کے بل گر گئی، پہلے تو اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ ہل سکتی، پھر اچانک قوت جمع کر کے وہ بیٹھی تھی۔اس کی آنکھوں میں آنسو بھرنے لگے۔

وہ ہوتا تھا تو کہاں گرنے دیتا تھا؟اس نے دھندلاتے منظر کو دیکھتے ہوئے، آنسو بہاتے ہوئے زندگی میں پہلی بار ان تسموں کو باندھنے کی کوشش کی تھی،اور اسی جگہ پہ پندرہ منٹ کی لگاتار کوشش کے بعد بالآخر گزارے لائق باندھ بھی لیا تھا انہیں۔اس نے سبز رنگ کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی، سر پہ دوپٹہ تھا،اب وہ اٹھی اور قبر کی جانب بڑھی، مگر۔۔۔

ہمیشہ کی طرح اس دن بھی وہ جگہ بے گانی ہی لگی تھی۔اس کی آنکھوں میں پھر آنسو آنے لگے تھے،دھندلے سے منظر میں اس نے وہ ایک چہرہ دیکھا۔

پہلے لگا کہ وہم ہے، پھر دل کی دھڑکن بڑھ گئی، جسم سن پڑنے لگا۔ وہ سامنے کھڑا تھا، اس سے کافی دور، مگر بالکل سامنے۔ اس نے ابھی آنا کو نہیں دیکھا تھا۔

آنا اس کی جانب بڑھی تھی، آہٹ پر اس نے سر اٹھایا اور پھر اس کا پورا وجود ساکت ہو گیا۔

ایلیانہ احمد کی آنکھیں آگ برسانے لگی تھیں، جسم لرزنے لگا تھا اور اس کی گرجدار آواز اس ویرانے میں گونجی تھی۔

''میرا حال دیکھنے آئے ہو، میاں؟ مجھے روتا دیکھنے آئے ہو؟ کمزور پڑتا دیکھنے آئے ہو؟'' وہ چلائی تھی، آنکھیں سرخ پڑ چکی تھیں۔ سامنے کھڑے شخص نے نفی میں سر ہلایا۔

www.novelsclubb.com

اس کا جسم بھی کپکپا رہا تھا، اس نے ہاتھ جوڑے تھے۔

"مجھے معاف کر دو، آنا!" وہ رونے لگا تھا، منت کر رہا تھا۔ ایلیانہ نے اسے دیکھا اور پھر اس نے محسوس کیا کہ اس کا ناک گیلا پڑ رہا ہے، اس کا ہاتھ ناک تک گیا تھا اور پھر سرخ ہوتا گیا۔

اس کے ناک سے قرمزی سی خون کی لکیر نکلی تھی، زیان کی آنکھوں میں پریشانی سی ابھری تھی، مگر وہ لڑکی ذرا بھی پریشان نہیں ہوئی، وہ ہنسنے لگی تھی، روتے ہوئے، تڑپتے ہوئے ہنسنے لگی تھی۔

"معاف کر دوں؟ کس لیے؟ کس کس چیز کے لیے؟ میرے شوہر کو مارنے کے لیے؟ یا ہادی انکل کے بیٹے کو مارنے کے لیے؟ یا داؤد عمر کے بھائی کو مارنے کے لیے یا عیسی کے واحد دوست کو مارنے کے لیے؟ کس لیے معاف کروں تمہیں؟ پوچھو خود سے؟ کرتے ہو تم معافی ڈیزرو؟" اپنے ہاتھ کی پشت سے ناک سے نکلتے خون کو صاف کرتے ہوئے وہ پوچھ رہی تھی۔

''تم بس خود سے اتنا پوچھ لو، زیان۔ تم معاف کر سکتے ہو اس قاتل کو اپنے دوست کا خون؟'' اس نے زیان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لفظ قاتل کہا اور پھر ہذیانی انداز میں ہنسنے لگی۔ زیان سر جھکائے کھڑا رہا، پھر آنا نے اسے یوں نظر انداز کیا جیسے وہ وجود ہی نہیں رکھتا تھا، وہ کپکپاتے ہوئے آگے بڑھ گئی تھی۔

قبرستان سے باہر نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر اس نے ٹشو نکالے اور خون کو صاف کیا، پھر وہ سر جھکا کے کافی دیر اسی پوزیشن میں بیٹھی رہی، اس کا پورا جسم لرز رہا تھا اور اسے شدید سردی لگ رہی تھی۔ اچانک سے سماعتوں میں وہ آواز گونجی تھی۔

''تم تو میری شیرنی ہو! اور شیرنیاں روتے ہوئے اچھی نہیں لگتیں۔''

اس نے لرزتے ہاتھوں سے اپنے آنسو پونچھے تھے پھر عیسی کو کال ملائی تھی۔ آج کل لاہور آیا ہوا تھا وہ۔

کال پہلی بار میں ہی اٹھالی گئی۔

''کہاں ہو تم؟'' بنا کسی سلام دعا کے اس نے کہا۔

''گھر میں۔'' عیسی جو احمد سے بات کرنے کی غرض سے سٹڈی میں جانے والا تھا، اس کی آواز سن کر فوراً باہر کی جانب مڑا تھا۔

''قبرستان تک آجاؤ۔ مجھ سے گاڑی نہیں چلائی جائے گی۔'' ایلیانہ نے کہہ کر فون کاٹ دیا اور اپنے کندھے کو سہلانے لگی۔ اسے یکدم بہت درد ہونے لگا تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد عیسی آگیا تھا، ایلیانہ سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی، اس نے دروازے پہ دستک دی تو اس نے سر اٹھایا، اس کی آنکھیں نم تھیں، اس نے دروازہ کھولا اور باہر نکلی، وہ لڑکھڑائی تھی۔ عیسی اسے پریشانی سے دیکھ رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

جب وہ دوسری طرف جا بیٹھی اور عیسی ڈرائیونگ سیٹ پہ آبیٹھا، تب گاڑی چلاتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

''آپ یہاں اکیلے کیوں آئیں؟'' ایلیانہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر بڑبڑائی۔

''جوتوں کے تسمے باندھنے سیکھنے تھے۔'' بہت ہی عجیب جواب دیا تھا اس نے۔ عیسی نے اسے تعجب سے دیکھا اور پھر کہا۔

''اس کے لیے یہاں آنا ضروری نہیں تھا!'' وہ دھیمے سے کہہ رہا تھا، آنا نے اس کی طرف دیکھا، مغموم سا مسکرائی اور کہا۔

''ضروری تھا! بہت ضروری تھا! جس نے سہاروں کی عادت ڈالی تھی اسے دکھانا بھی تو تھا کہ دیکھو، خود کے سہارے بھی زندگی گزار سکتی ہے ایلیانہ احمد۔'' جینے کا لفظ اس نے استعمال نہیں کیا تھا۔ یہ بات عیسی نے محسوس کی تھی۔

''لیکن ایک بات ہے، عیسی۔ جب جب گروں گی تب تب یاد آیا کرے گا مجھے۔''

اس نے سر ایک بار پھر جھکا لیا۔ عیسی نے اس بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ تو ہر بات پہ کہتی تھی کہ وہ یاد آتا ہے، بس یہ نہیں بتاتی تھی کہ کبھی بھولتا ہی نہیں ہے۔

کچھ دیر بعد اس نے سر اُٹھایا اور پوچھا۔

"آگے لا کی پریکٹس کہاں سے کرنے کا ارادہ ہے؟"

"دل دونوں جگہوں کے درمیان الجھ چکا ہے۔اسلام آباد چھوڑ دیا تو داؤد بھائی کی فکر ستائے گی،لاہور چھوڑ دیا تو آپ سب کی۔"اس نے سامنے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"تم اتنے سنجیدہ کب سے ہو گئے؟"اس نے اس کے جواب سے زیادہ لہجے پہ غور کرتے ہوئے کہا تھا۔

عیسی نے جواب نہیں دیا،وہ اسے یہ نہیں بتا پایا کہ جب سے اس نے جینا چھوڑا تھا تب سے۔

www.novelsclubb.com

"کر کیا رہے تھے؟"ایک اور سوال آیا۔آج باتیں کرنے کے موڈ میں تھی وہ۔

"ابو سے بات کرنے جا رہا تھا۔رامین کے بارے میں۔"اس بات پہ ایلیانہ کی یکدم مٹھیاں بھنچ گئیں۔

"یہ تم نے مجھے تب کیوں نہیں بتایا؟ بتا دیتے تو میں خود آ جاتی گھر۔" اس نے تاسف سے کہا تو عیسیٰ نے ہلکا سا مسکرا کر جواب دیا۔

"اسی لیے نہیں بتایا تھا۔" وہ اب گھر پہنچ چکے تھے۔ ایلیانہ گاڑی سے باہر نکلی اور اسے جلدی سے احمد سے بات کرنے کی تلقین کی۔ پھر وہ اندر چلی گئی۔ اندر جاتے ہی وہ اپنے کمرے میں داخل ہو گئی تھی۔

عیسی نے گھڑی پہ وقت دیکھا اور ایک لمبا سا سانس لے کر سٹڈی میں داخل ہو گیا۔

•••••

وہ کمرے میں جاتے ہی نہائی تھی، پھر بالکنی میں جا بیٹھی۔ اس نے سرخ رنگ کا لباس پہن رکھا تھا، سردیوں کی محب تو وہ ہمیشہ سے تھی، اس وقت سردی کو محسوس کرتے ہوئے ایک شعر بہت شرت سے یاد آیا تھا اسے۔

www.novelsclubb.com

"آ جا کہ ابھی ضبط کا موسم نہیں گزرا

آجا کہ پہاڑوں پہ ابھی برف جمی ہے

خوشبو کے جزیروں سے ستاروں کی حدوں تک

اس شہر میں سب کچھ ہے بس اک تیری کمی ہے"

کچھ دیر مسکراتے ہوئے وہیں بیٹھی رہی پھر وہ اٹھی اور باہر چلی گئی، اسی گھر کی سٹڈی میں فی الحال تناؤ سا تھا۔

عیسی ہاتھ کمر پہ باندھے کھڑا تھا، احمد نے کتاب کو چھوڑ کر اسے دیکھا اور بیٹھنے کو کہا۔ اب وہ کتاب ایک طرف رکھ چکے تھے اور مکمل یکسوئی سے اسے دیکھ رہے رھے، جس سے بات کہی ہی نہیں جارہی تھی۔

www.novelsclubb.com

"ابو۔۔۔ بات یہ ہے کہ۔۔ میں۔۔۔" اس نے تھوک نگلا، یہ سب اس کی سوچ سے زیادہ مشکل تھا۔

"میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے جلدی سے جملہ مکمل کیا اور سر جھکا دیا۔ احمد پہلے ایک منٹ تو اسے دیکھتے رہے پھر ہموار سے لہجے میں کہا۔

"کس سے؟ یہ بھی بتا دو، میاں!" عیسی کا سر اور جھک رہا تھا۔

"ر۔۔۔رامین سے!" اس نے نظر اٹھا کر احمد کے تاثرات نہیں دیکھے تھے۔

"کوئی خاص وجہ؟" احمد نے کچھ دیر بعد پانی کا گلاس بھرتے ہوئے کہا۔

اب کی بار عیسی نے سر اٹھایا، اور ذرا ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"نہیں! بس یوں ہی سوچا کہ خاندان میں شادی کرنی چاہیے۔" اس نے پھر تھوک نگلا، احمد اس کے جواب سے محظوظ ہو رہے تھے۔ اچانک دروازہ دھڑام کی آواز سے کھلا، یوں اندر آنے کی اجازت صرف ایک انسان کو ہی تھی اور وہ ایک انسان اس وقت سامنے کھڑی تھی۔

www.novelsclubb.com

"صاف صاف بولو عیسی احمد کہ اسے خود سے بھی چھپ کے دیکھتے ہو، کتنے بزدل ہو تم! صاف صاف بتادو کہ محبت ہے۔" وہ یہ کہتے ہوئے احمد کے سامنے اور عیسی کے ساتھ والی کرسی پہ آ بیٹھی۔ عیسی کا چہرہ سرخ پڑنے لگا تھا۔ وہ جو محظوظ ہونے آئی تھی، ساکت ہو گئی۔ تھا کوئی جو یوں ہی شرمایا کرتا تھا، آج بے وجہ یاد آ گیا تھا، اس نے نظر اٹھائی تو وہ کوئی تو سامنے ہی کھڑا تھا، اس نے سر جھکا لیا۔

احمد عیسی کے بدلتے تاثرات کو بغور دیکھ رہے تھے۔

"تم مجھ سے ڈرو مت، عیسی۔ آرام سے بتاؤ، کیا تمہاری بہن جو کہہ رہی ہے وہ سچ ہے؟" انہوں نے نرمی سے کہا تو عیسی نے سر اٹھایا، پھر آنکھوں کو چھوٹا کر کے، دھیمے سے کہا۔

www.novelsclubb.com

"تھوڑا تھوڑا!" اس کے جواب پہ آنا سر جھکا کے ہنس دی تھی۔

''صحبت کا صحیح اثر ہوا ہے تم میں۔ تم دوستوں نے مل کے سیکھا ہے کیا لڑکیوں کے حصے کا شرمانا؟'' احمد نے عیسی سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا جو پچھلے ایک سال میں شاید پہلی باریوں ہنسی تھی، ایک مسکراہٹ ان کے چہرے پہ رینگ گئی، اب دونوں بہن بھائی آپس میں بحث کر رہے تھے، اور ساتھ ساتھ ہنستے جا رہے تھے اور احمد انہیں دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

رات گہری ہونے لگی تھی، وقت کسی کی بھی پرواہ کیے بغیر سرکتا جا رہا تھا۔

•••••

ہسپتال کی سفید راہداریاں آج پرجوش سی لگتی تھیں، وہ ہوا میں موجود پرجوشی کو محسوس جو کر چکی تھیں، کچھ تو تھا جو بدلنے والا تھا، کچھ تو اچھا ہونے والا تھا۔

ایمرجنسی وارڈ میں لوگوں کی آہ وبکا کے درمیان تم اس ڈاکٹر کو دیکھ سکو گے جو مصروف سے انداز میں کام کر رہی تھی، مگر وہ کہیں کھوئی ہوئی لگتی تھی۔ اسے

گھورتی ہوئی سیاہ نگاہیں بھی اب اپنے مریض کو دیکھنے لگی تھیں۔وہ ایک مصروف دن تھا۔

جب سورج سر پہ آگیا، سردی نے تب بھی دم کہاں توڑا تھا، وہ ہسپتال سے باہر نکلی تھی، اسے بہت پسند تھا ہسپتال کے باہر موجود باغ میں اس مخصوص بنچ پہ بیٹھ جانا۔۔۔

تب وہ اس کے پیچھے بھاگتا ہوا آیا تھا، اسی بنچ پہ جا بیٹھا۔

وہ جو چائے کے مگ کو لبوں سے لگانے لگی تھی، بنا کچھ کہے مگ اس شخص کی جانب بڑھا دیا۔اس نے مگ نہیں تھاما تو اس نے حیرت سے آنکھیں اٹھا کر اس کی سیاہ آنکھوں میں جھانکا۔

www.novelsclubb.com

وہ اسے غصے سے دیکھ رہا تھا، یہ دیکھ کر وہ سٹپٹائی تھی۔

''ایک معالج کے لیے سب سے اہم چیز کیا ہوتی ہے؟''اسی برہمی سے اس نے سوال کیا۔ماریہ کے ابرو اکٹھے ہوئے پھر اس نے آنکھیں جھکا کے پوچھا۔

''کیا؟''

“Focus!”

داؤد نے ایک لفظی جواب دیا تو ماریہ نے ہاں میں سر ہلا دیا، آنکھوں میں ایسا تاثر تھا گویا کہہ رہی ہو، یہ تو مجھے معلوم تھا۔

''کیا آپ جانتی ہیں کہ یہ دھیان، حال میں رہنا، ہر شعبے کے لیے ہی اہم ہے، لیکن کسی شعبے میں اس لاپرواہی کا اتنا نقصان اسی لمحے نہیں ہوتا جتنا اس شعبے میں ہوتا ہے۔ایک معالج کی چھوٹی سی غلطی مریض کی جان لے سکتی ہے۔ایک ڈاکٹر نے اگر اپنے خیالات میں گم ہی رہنا ہے تو اسے ڈاکٹر بننا ہی نہیں چاہیے۔''وہ اسی لہجے

www.novelsclubb.com

میں کہہ رہا تھا، ماریہ کا سر جھک گیا۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو پشیمانی نے گلا دبانا شروع کر دیا تھا۔ اس کی آنکھیں نم پڑنے کو تھیں۔

"مجھے اپنا ایڈریس دیں!" اس نے اسی برہم سے لہجے میں کہا تو ماریہ نے تیزی سے سر اٹھایا، اس کی آنکھوں میں پریشانی تھی۔

"میرے والدین کو شکایت لگائیں گے آپ؟ میں بتا رہی ہوں، ڈاکٹر، یہ بہت بچگانہ حرکت ہے۔ ہم بچے تھوڑی ہیں، مجھ سے بات کر لی نا آپ نے، میں سمجھ گئی۔"

اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو آرہے تھے۔ اور وہ ہاتھ ہلاتے ہلاتے جانے کیا کہہ رہی تھی۔

"نہیں، آپ ایسے نہیں سمجھیں گی، میں کئی دنوں سے غور کر رہا ہوں۔ آپ ایڈریس دیں مجھے ورنہ میں خود نکلوا لیتا ہوں۔" اور ماریہ کے گویا سر پہ لگی، تلوؤں پہ بجھی۔ اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

www.novelsclubb.com

''میرا گھر بہت دور ہے۔ایک کام کیجیے،آپ فون نمبر لے لیجئے۔''فون نمبر تو وہ کسی دوست کا بھی دے سکتی تھی،وہ جو گہری سانس لے کر مسکراتے ہوئے اسے باتوں میں گھمانے کی کوشش کر رہی تھی،اس کے جواب پہ ساکت ہو گئی،صامت ہو گئی۔

''میں فون پہ رشتہ مانگتا اچھا لگوں گا،ڈاکٹر؟''اس نے بے چارگی سے کہا تھا اور ماریہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی،سردی کے باوجود وہ پسینے میں شرابور ہو چکی تھی۔ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں،پھر اس نے کچھ دیر بعد آنکھیں میچتے ہوئے کہا۔

''ڈاکٹر،کیا آپ سچ میں یہاں ہیں؟مجھے لگ رہا ہے مجھے **hallucinations** ہو رہی ہیں۔۔۔''اس نے جتنا ڈرتے ہوئے کہا تھا،اس سے اتنا ہی محظوظ ہوتے ہوئے داؤد سر جھکا کے ہنس دیا تھا۔اُنہیں دیکھ کر مسکراتے ہوئے آسمان نے کہا تھا،

تو بالآخر داؤد عمر نے زندگی کا انتخاب کر لیا تھا، بالآخر اس نے جینے کا انتخاب کر لیا تھا۔

پھر داؤد اسے شش و پنج میں چھوڑتا ہوا ہسپتال کے اندر چلا گیا۔

•••••

ایک لمحے میں سمٹ آیا ہے صدیوں کا سفر

زندگی تیز بہت تیز چلی ہو جیسے!

زندگی اتنا تیز چلی تھی، اس بات کا اندازہ تو اسے اس وقت ہوا جب 26 دسمبر کی اس شام سدرا نے اس سے کہا کہ اسے احمد نے بلایا ہے، وہ ابھی اکیڈمی سے آئی تھی، تھکی ہوئی تھی، اپنی کنپٹی کو مسلتے ہوئے ہاں میں سر ہلا دیا، اس کے بعد وہ منہ ہاتھ دھو کر باہر چلی گئی۔ اس نے سفید رنگ کی فراک پہن رکھی تھی، دل عجیب طرح سے دھڑکنے لگا تھا۔

www.novelsclubb.com

سٹڈی میں وہ داخل ہوئی تو وہاں کے ماحول نے اسے پہلے ہی خبر دار کر دیا، وہ بہت تھکی ہوئی لگتی تھی، اس وقت سلام لے کر کرسی کھینچ کر وہاں جا بیٹھی۔ سدرا کچن سے کافی کے تین مگ لے کر اس کے ساتھ آ بیٹھیں۔ آنا نے کافی کے مگ کو لبوں سے لگا لیا، خود کو دیکھتی ان چار آنکھوں کو نظر انداز کیا۔ بات سدرا نے شروع کی تھی۔

"سال سے اوپر ہو چکا ہے، آنا۔ تم یوں آنکھوں کے نیچے حلقے اور آنکھوں کے اندر غم لیے پھرو گی، تو لوگ سو سو باتیں کریں گے۔ اب بس بہت ہو گیا، اپنے غم سے کہو کہ دور جا بیٹھے، میری ابھی عمر نہیں ہے اداس رہنے کی۔" اسے کافی کا مگ اپنے ہاتھ سے گرتا محسوس ہوا تھا، بہت مشکل سے اس نے مگ کو میز پہ رکھا، اور سمجھ کے بھی نا سمجھ بنتے ہوئے کہا۔

"لوگوں کی باتیں کب سے اہم ہو گئیں، امی۔ یہ آپ انہیں لوگوں کی بات کر رہی ہیں نا جو ایک سال پہلے میری غمگساری کرنے کے بجائے مجھے منحوس کہہ رہے

تھے؟" اس نے آواز کو نارمل رکھتے ہوئے کہا تھا، دل البتہ بیٹھتا جارہا تھا۔ وہ بس یہ سوچ رہی تھی کہ اگر اس کی ماں نے آگے وہ بات کہہ دی، جس کا خدشہ اسے ستا رہا تھا، تو وہ بیٹھے بیٹھے مر نہیں جائے گی؟

سدرہ اس کے ردعمل کو بغور دیکھ رہی تھیں، انہوں نے پانی کا گلاس بھرا اور گلاس آنا کے سامنے کھسکا دیا، آنا نے ایک نظر گلاس کو دیکھا اور ایک نظر اپنی ماں کو۔ پھر انہوں نے چند تصاویر نکالیں اور اس کے سامنے رکھ دیں۔

"کون سا لڑکا زیادہ اچھا لگ رہا ہے؟" آنا نے ایک دفعہ بھی ان تصاویر پہ نگاہ نہیں ڈالی۔ اپنے ہاتھوں کی کپکپاہٹ چھپانے کے لیے مٹھی بھینچ لی۔

"میں کیوں دیکھوں یہ تصاویر۔ کوئی خاص مقصد؟" اس نے اپنی گود میں رکھے اپنے ہاتھوں کو گھورتے ہوئے کہا۔

''شادی کرنی ہے ناتمہاری، تمہاری مرضی جاننی بھی تو ضروری ہے۔'' کوئی بم تھا جو اس کے سر پہ پھوڑ دیا گیا تھا، اس کے خدشے حقیقت کی شکل لے چکے تھی۔ وہ گنگ رہ گئی، ساکت وصامت ہو گئی، اس کی آنکھیں کھلتی گئیں، وہ جانے کس کرب سے اپنی ماں کو گھور رہی تھی۔ اس پورے وقت میں پہلی بار احمد کی آواز آئی تھی، وہ کھنکار رہے تھے۔

''میرا خیال ہے کہ اس بات کو ابھی چھوڑ دیتے ہیں۔'' وہ آنا کے پھیکے پڑتے رنگ کو دیکھ کر کہہ رہے تھے۔ سدرا نے انہیں گھورا۔ اتنی مشکل سے وہ اس بات کو کرنے کی ہمت جمع کر رہی تھیں، اور ان کے شوہر کو اسی وقت ہیرو بننے کا خیال آیا تھا۔

www.novelsclubb.com

آنا نے نہ اپنے باپ کی آواز سنی، نہ اپنی ماں کا گھورنا دیکھا، وہ کھلی ہوئی مغموم آنکھوں کے ساتھ خلا کو گھورتی جا رہی تھی۔

پھر وہ کھڑی ہوئی، وہ لڑکھڑائی تھی، سدرا اور احمد بھی ساتھ ہی کھڑے ہو گئے۔

''شادی ہو چکی ہے میری، اور مرضی تو میری تب بھی نہیں پوچھی گئی تھی۔''اس نے عجیب سے انداز میں کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''رکو آنا! ابھی تم سے جانے کو نہیں کہا۔'' وہ جو دروازے تک پہنچی تھی، تھم گئی، مڑ کے انہیں دیکھا اور بدقت مسکرائی۔

''میں کہیں جا بھی نہیں رہی، امی۔ یہیں ہوں۔''اس نے دروازہ کھولا، اور منہ باہر نکال کر ٹی وی لاؤنج میں پڑے صوفوں کو بغور دیکھا۔ وہ کمبخت سامنے ہی تو بیٹھا تھا۔

www.novelsclubb.com

''وہاں بیٹھا تھا وہ سر جھکا کے۔ اور ان سیڑھیوں سے میں دندناتے ہوئے نیچے آئی تھی۔'' وہ ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے مسکرا کر کہنے لگی تھی۔ اس کی آواز سن کر

سیڑھیوں پہ بیٹھا عیسیٰ بھی اس کے سامنے کھڑا ہو کر اس کی حرکتوں کو بغور دیکھنے لگا۔

''میں نے شعلہ باز نگاہوں سے اسے دیکھا تھا، اور کمینے نے سر جھکا لیا تھا۔ایک نظر نہیں دیکھا تھا مجھے۔'' سدرا نے احمد کو دیکھا اور پھر دوبارہ آنا کو۔ان کا دل کٹ کے رہ گیا تھا۔

''بہت غصہ آرہا تھا اس پہ۔پر پھر اس کی اسی ادا سے محبت ہو گئی۔ کتنی حیا تھی اس کی آنکھوں میں، بعد میں سوچا تو بہت اچھا لگا اس کا شرمانا۔'' وہ ایک مرتبہ پورے دل سے مسکرائی تھی۔

''پھر میرے حادثے کے بعد سیڑھیوں کے پاس، بالکل یہیں گھٹنوں کے بل بیٹھ کے میرے ناخن کاٹے تھے اس نے۔ کتنا غصہ آرہا تھا اس پہ، اور وہ بس مسکرا رہا

تھا۔ مسکراتے ہوئے مجھ سے معافی مانگ رہا تھا، اپنے جرم کا اعتراف کر رہا تھا۔"

اس نے اب ہاتھوں کا رخ ایک مخصوص جگہ کی طرف موڑا۔

"اور اس صوفے پہ بیٹھ کے ہم نے ہماری شادی کی دوسری سالگرہ منائی تھی۔" وہ سر جھکا کے ہنس دی۔

"یہ جو ہنسنا آتا ہے نا مجھے، اسی نے سکھایا تھا۔ ہاہا۔۔۔ کیا خبر تھی کہ ایک روز خود غائب ہو جائے گا اور میں پوری عمر زندگی کے اس مذاق پہ ہنستی رہ جاؤں گی۔۔۔"

اب کی بار اس نے خالی خالی نگاہوں سے احمد اور سدرا کو دیکھا۔

"ڈرامے بند کرو، آنا۔ پچیس سال کی ہو تم، آگے پوری زندگی پڑی ہے تمہاری!"

www.novelsclubb.com

سدرا نے کس دل سے کہا تھا، وہی جانتی تھیں۔

پیچھے سے یہ آوازیں سنتے ہوئے عیسی بھی احتجاجاً آگے بڑھا تھا مگر سدرا نے اسے یوں گھورا کہ اس کی زبان پہ تالا لگ گیا۔

اب منظر یہ تھا کہ وہ تینوں پھر آمنے سامنے بیٹھے تھے اور عیسی دروازے کے ساتھ پڑی کرسی پہ، ان سے ذرا دور۔

"سچ کہوں تو پوری عمر اس کو یاد کر کے بھی گزاری جا سکتی ہے۔ دیکھیں، سال گزر بھی گیا۔۔۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ کوئی اس بے وقوف کو بتائے کہ اس کی مسکراہٹ آہوں سے زیادہ غم لیے ہوئے تھی۔

"لوگ باتیں کریں گے۔ تم لوگوں کو دکھانا چاہ رہی ہو کہ تم زندگی کے آگے ہار چکی ہو۔ آگے بڑھو، آنا احمد۔" یہ تھا ان کا اگلا وار! اسے یاد دلانا کہ وہ کون تھی۔

اور یہ تیر اس کے دل پہ جا کے لگا تھا، بے یقینی نے اس کا سانس روکا تھا۔

www.novelsclubb.com

حلق سے بامشکل نکلا۔

"وہ کوئی پروجیکٹ نہیں تھا، کوئی ایگزام نہیں تھا، جس میں فیل ہو کر گر گئی ہوں میں اور اب آگے بڑھنا ضروری ہے۔

وہ کہانی کا وہ موڑ ہے جہاں رکے رہنے کے لیے میں اپنی جیت کو ہار سکتی ہوں۔

اپنی فتوحات کو خاک کر سکتی ہوں۔اس موڑ سے آگے بڑھنا موت ہے،امی۔"

سدرا کے ابرو اکٹھے ہو گئے۔کیا کہہ رہی تھی وہ لڑکی؟اس مشکل کام کو اور مشکل بنا رہی تھی۔

"آنا! آگے بڑھنا پڑتا ہے۔زندگی نہیں رکتی! تم کیوں نہیں سمجھ رہی؟لوگوں کو چھوڑ دو،اپنے ماں باپ کا ہی خیال کرو۔تم چاہتی ہو ہم تمہیں دیکھ دیکھ کر ہی مر جائیں؟" دوسرا پتا پھینکا گیا،ایموشنل بلیک میلنگ کا وقت تھا وہ۔آنا نے ایک لمبا سانس لیا اور بہت اطمینان سے کہا۔

"میں خودکشی کی کوششیں کر رہی ہوں نہ کوئی غیر شرعی کام جو آپ مجھے دیکھ دیکھ کے مرنے لگیں۔"کس ضبط سے اس نے جملہ ادا کیا تھا وہ اس کا دل ہی جانتا تھا۔

''آنا تم سمجھنے کی کوشش تو کرو۔'' انہوں نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تھا، یہ تیسرا حربہ تھا، پیار سے مار دینا۔

وہ کرسی سے اٹھی تھی، اس نے ان کا ہاتھ جھٹک دیا تھا، اس کا سانس رکنے لگا تھا۔۔

''امی! آپ سمجھیں خدارا۔ آپ کو کیوں سمجھ نہیں آ رہا کہ میں آگے نہیں بڑھنا چاہتی۔ مسئلہ یہ نہیں ہے کہ میں آگے بڑھ سکتی ہوں یا نہیں، مسئلہ یہ ہے میں آگے بڑھنا نہیں چاہتی۔'' پہلی بار آواز بھرائی تھی۔

اور اس کی آواز بھرانے کی دیر تھی، عیسی جو کب سے ضبط کر رہا تھا، اٹھ کھڑا ہوا۔ احمد بس سب کے رد عمل کو بغور دیکھ رہے تھے۔ وہ الجھ کے رہ گئے تھے۔

www.novelsclubb.com

عیسی آنا کی طرف بڑھتے ہوئے بولا تھا۔

''آپ آپی پہ دباؤ نہ ڈالیں، امی۔ ان کی مرضی سے ان کی زندگی چلنے دیں۔'' اس نے بہت آرام سے کہا اور آنا کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا۔ آنا کی چال میں

لڑکھڑاہٹ واضح تھی۔ وہ اس کے پیچھے جا کر کھڑا ہوا۔ جب اس نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تب بھی وہ نہیں مڑی۔ وہ اس کے سامنے آیا تھا اور پھر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ آنا ایک رومال سے اپنے ناک سے نکلتے خون کو صاف کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر خون نکلتا جا رہا تھا۔ عیسی نے تفکر سے اس کی طرف دیکھا۔

''یہ کیا ہے آپی؟'' مگر وہ جواب دینے کی حالت میں نہیں تھی، وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں جا رہی تھی۔ عیسی نے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

کچھ دیر بعد وہ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی تھی، عیسی گاڑی چلا رہا تھا، اس کا رخ ہسپتال کی جانب تھا۔

www.novelsclubb.com

ہسپتال جا کر کچھ ٹیسٹس وغیرہ کیے گئے مگر مجموعی طور پہ ڈاکٹر نے یہی کہا کہ طبیعت کی خرابی بی پی شوٹ ہونے کی وجہ سے تھی۔

"کیا کسی چیز کا ٹراما یا فکر ہے آپ کو؟ کوئی پریشانی؟" ڈاکٹر نے پوچھا تو وہ خاموش بیٹھی رہی۔ کیسے بتاتی کہ زندگی نے اس سے کیا کچھ چھین لیا تھا۔ کیا بتاتی؟ کہ کیوں وہ جینے سے روٹھی ہوئی تھی۔

عیسی نے مختصراً عالیان کا ذکر کیا تو ڈاکٹر نے بات سمجھتے ہوئے کہا۔

"آپ سٹریس مت لیں زیادہ۔ بی پی کا اس قدر زیادہ ہونا جان لیوا بھی ہو سکتا ہے۔" ڈاکٹر بہت آرام سے کہہ رہا تھا، ایلیانہ احمد کو تو فرق نہیں پڑا مگر اس کے ساتھ بیٹھا لڑکا سہم گیا تھا۔

وہ اور رشتوں کو نہیں کھو سکتا تھا!

www.novelsclubb.com

پھر ڈاکٹر نے دوا لکھ دی جو کہ مستقبل لینی تھی۔ اس کے لیے یہ سب معمول کا کام تھا، مگر اس بیماری کا انکشاف عیسی احمد کو ہلا گیا تھا۔

اسے پہلے بے یقینی پھر پشیمانی نے گھیر لیا۔ واپسی پہ آنا نے اس سے کہا تھا۔

''امی ابو کو مت بتانا پلیز۔''عیسی نے اسے گھورا تھا، پر وہ دونوں ہی جانتے تھے کہ وہ بات اب راز تھی۔

ان دونوں کا راز!

جسے مر کر بھی دونوں فاش نہیں کرنے والے تھے۔

رات گہری ہوتی جارہی تھی، ابھی گھر جاکر دونوں کو احمد اور سدرا کی ڈانٹ بھی سننی تھی اچانک غائب ہو جانے پر۔

وہ دونوں اب کسی بھی صورتحال کے لیے تیار تھے۔

ایک سال میں زندگی کے بغیر زندگی نے اسے ہائپر ٹینشن کی مریضہ بنا دیا تھا، آگے کا

www.novelsclubb.com

جیون کیسے گزرنا تھا؟ آخر کیسے کٹنی تھی یہ عمر؟

ایسا نہیں تھا کہ وہ زندگی سے مایوس تھی، وہ مایوسی کو ترک کر چکی تھی، ایک مقصد کے لیے جیتی تھی۔ مگر جینا مشکل تھا، اس شخص کے بنا جینا مشکل تھا۔

•••••

صبح ہوئی تو سب معمول کی طرح ناشتے کی میز پہ بیٹھے تھے۔ٹوس کو جام لگاتے ہوئے آنا نے ان کے سر پہ دھماکا پھوڑا تھا۔

''میں اسلام آباد جانا چاہتی ہوں!''اس کی بات سنتے ہی احتجاجاً احمد نے پوچھا تھا۔

''کوئی خاص وجہ؟''انہوں نے کہہ کر چائے کے کپ کو لبوں سے لگا لیا۔

''سچ بتاؤں یا یہ کہہ دوں کہ اسلام آباد دیکھنے کا دل چاہ رہا ہے؟''اس نے بڑے مزے سے کہتے ہوئے نوالہ لیا۔عیسی زیر لب مسکرا دیا۔

''سچ کہو۔ہم کون سا سچ کہنے پہ سزا دینے والے ہیں۔''احمد نے اطمینان سے کہا۔

www.novelsclubb.com

''امی! کہہ دوں سچ؟''اس نے ماں کی طرف دیکھ کر کہا تو ماں نے کندھے اچکا دیے۔

''اپنے خط لینے ہیں وہاں سے۔ علی سے ملنا ہے۔ داؤد شادی کر رہا ہے، اس کی منگیتر سے ملنا ہے۔ عیسی کی یونیورسٹی دیکھنی ہے۔'' وہ اب انگلیوں پہ گنوانے لگی تھی۔ ابھی وہ مسکراتے ہوئے گنوا ہی رہی تھی جب احمد نے اسے ٹوکا تھا۔

''تم سے سچ کہنے کو کہا ہے بیٹے، بات گھمانے کو نہیں۔'' وہ ٹھٹکی، انہیں دیکھا، ان کی آنکھوں میں جھانکا اور پھر مغموم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''مجھے اس کا گھر دیکھنا ہے، اس کے لکھے خطوط دیکھنے ہیں، اس کی بنائی تصاویر کو دیکھنا ہے۔ مجھے ایک دن کے لیے جینا ہے!'' آنکھیں اچانک نم پڑنے لگی تھیں۔ احمد نے اس کی طرف دیکھا، سدرا جو منع کرنے والی تھیں احمد کے جواب پہ خاموش ہو گئیں۔

www.novelsclubb.com

''جاؤ پھر، جی لو۔ عیسی کے ساتھ جاؤ اور اسی کے ساتھ واپس آ جانا۔ مگر قسم کھاؤ، جیو گی، جینے کے بعد مرنے کی رسم پوری نہیں کرو گی۔'' انہوں نے اخبار کھول کر

اپنے سامنے کرلیا، وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی بیٹی ان کا چہرہ پڑھ لے، چہرے کے کرب کو پرکھ لے۔

ایلیانہ مسکرا دی۔اب اسے جانا تھا، اسلام آباد۔اس ظالم شخص کے شہر میں۔

اسے ایک دن کے لیے جینا تھا!

•••••

تاریخ تھی 29 نومبر!

وقت صبح کے نو بجے۔

منظر یہ تھے وہ کچے راستے، مٹی کے گھر، لہلہاتے ہوئے سرسوں کے کھیت۔

وہ ماریہ کے گاؤں میں آچکا تھا۔

ہواؤں نے چہچہا کر بتایا تھا کہ داؤد عمر ماریہ کے گاؤں آچکا تھا۔

گاڑی داؤد چلا رہا تھا، اس کے ساتھ ہادی بیٹھے تھے اور پیچھے عیسی۔ اس نے کبھی اس دن کے بارے میں نہیں سوچا تھا، بس ایک شخص تھا جو اسے کہا کرتا تھا۔

"دیکھنا ایک دن آئے گا، میں تمہارا رشتہ مانگنے جاؤں گا، اپنی شیروانی پہن کر۔ تمہارے دل کی ہر بات کی گواہی دوں گا۔ داؤد عمر تم دیکھنا، تمہاری شادی پہ سب سے زیادہ خوش جو انسان ہو گا وہ تمہارا بھائی ہو گا۔" گاڑی چلاتے ہوئے اسے کتنی بار یہ جملہ یاد آیا تھا اور کتنی بار اس کی آنکھیں نم پڑی تھیں اسے یاد نہیں تھا۔ یاد تھا تو بس یہ کہ آج جب وہ دن حقیقت کی شکل اختیار کر چکا تھا، سب تھے، مگر وہ ایک شخص نہیں تھا!

اس دن اسے وہ سرمئی آنکھیں بہت یاد آئی تھیں۔

وہ اس گھر سے ذرا دور تھا جب راستے تنگ دکھنے لگے، وہ گاڑی سے اترا۔ ہادی اور عیسی بھی اترے۔ آگے انہیں پیدل چلنا تھا۔

وہاں تک پہنچ کر گھر کے چھوٹے سے دروازے پہ دستک دی۔دل اتنا تیز دھڑکا تھا کہ حد نہیں۔لوگ اس شخص کو گھور رہے تھے جو کوٹ پینٹ پہن کر بڑی سی گاڑی میں آیا تھا،ایک دوسرے کے کان میں پھسپھسا رہے تھے۔

دروازہ کھلا تو سامنے ایک عورت تھی،اس نے شائستگی سے پوچھا۔

''کس سے ملنا ہے بیٹا؟'' داؤد کی نظریں جھکی ہوئی تھیں،وہ سٹپٹا ہی تو گیا تھا۔

''منصور صاحب گھر پہ ہیں،بھابھی؟''اس کی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے ہادی نے کہا تھا۔انہیں بار بار وہ دن یاد آرہا تھا جب وہ عالیان کا رشتہ مانگنے گئے تھے۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں اس بیٹھک میں بیٹھے تھے،کرسیاں چھوٹی تھیں مگر صاف

www.novelsclubb.com

ستھری تھیں،بالکل اس گھر کی طرح۔

خوبصورت اور صاف ستھرا گھر۔اس کے باسی بھی تو ایسے ہی تھے۔

تھوڑے بہت تعارف کے بعد ہادی نے کہا۔

"میرا بیٹا داؤد آپ کی بیٹی کے ساتھ کام کرتا ہے۔ جس ہسپتال میں وہ کام کرتی ہے، اسی ہسپتال میں۔اس کا سینئر ہے۔" اپنے میاں کے ساتھ بیٹھی عورت اسے پہچان گئی تھی۔ وہ تو پہلی نظر میں ہی اسے پہچان چکی تھیں۔

منصور نے بس سر ہلانے پہ اکتفا کیا۔ کہیں اندر وہ بھی جانتے تھے کہ آگے کیا بات ہونے والی تھی۔

"بات یہ ہے کہ میرے بیٹے کو آپ کی بیٹی معالج نہیں لگتی۔۔۔" وہ رکے، منصور نے تعجب سے انہیں دیکھا۔

"مسیحا لگتی ہے۔ ہم آپ کی بیٹی کا ہاتھ اپنے بیٹے کے لیے مانگنا چاہتے ہیں۔" انہوں نے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔ سامنے پڑی چائے ٹھنڈی ہوتی جا رہی تھی۔

www.novelsclubb.com

منصور نے ہاں میں سر ہلایا پھر بہت آرام سے پوچھا۔

"آپ وہی ہیں نا جسے چائے بہت پسند ہے۔" اور داؤد کا تو سر مکمل طور پہ جھک گیا، اس سے نظریں اٹھائی ہی نہیں گئیں۔

"جی۔۔۔" بمشکل کہا تو منصور مسکرا دیے۔

"تو ابھی چائے کو ٹھنڈا کیوں کر رہے ہیں، پی لیجیے۔" وہ اس کی حالت سے محظوظ ہوئے تھے۔

اس کے بعد انہوں نے کئی سوال کیے، داؤد اور ہادی جواب دیتے رہے۔ عیسی البتہ ایک کونے میں بیٹھا مسکرا کے سب دیکھ رہا تھا۔ جانے کیوں داؤد اسے ساتھ لے آیا تھا۔

www.novelsclubb.com

"آپ کو اچھی لگتی ہے، ماریہ؟" باتوں کے درمیان بہت نا محسوس انداز میں انہوں نے پوچھا تھا۔

داؤد نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا، پہلی بار دونوں کی نگاہیں ملی تھیں۔ پھر داؤد نے ہولے سے کہا۔

"مجھے ستارے بہت اچھے لگتے ہیں۔" جواب اتنا سا تھا، داؤد نہیں جانتا تھا اس نے کیوں کہا یہ۔ مگر منصور کے دل کو تسلی مل گئی تھی۔

چند اور باتوں کے بعد ہادی اٹھ کھڑے ہوئے، اب وہ لوگ واپس جانے والے تھے۔ داؤد کا دل ایک لمحے کے لیے کٹا تھا، اگر انہوں نے انکار کر دیا تو؟

لیکن اس کے گھر کے صحن سے آسمان پہ ٹمٹماتے اکلوتے ستارے کو گھورتے ہوئے نجانے کیوں وہ پر سکون ہو گیا تھا۔

www.novelsclubb.com

رات کو ماریہ سے فون پہ بات ہوئی تو سب سے پہلے منصور نے کہا تھا۔

"آج کوئی ڈاکٹر آیا تھا۔۔ کیا نام تھا اس کا سائرہ؟"انہوں نے جان کر پوچھا، وہ تو ماریہ کے چہرے کے تاثرات دیکھنا چاہتے تھے،اور ماریہ اس کے چہرے پہ پہلے حیرت اور پھر مسکراہٹ آئی تھی۔

"داؤد!" وہ سائرہ سے پہلے بولی تھی۔

"ہاں وہی ڈاکٹر۔ کہہ رہا تھا کہ تم مسیحا لگتی ہو اسے۔"ماریہ کی آنکھیں نم پڑ رہی تھیں یہ وہ وڈیو کال پہ بھی دیکھ سکتے تھے۔سائرہ مسکراتے ہوئے اس کے تیور دیکھ رہی تھیں۔

"ابو! آپ نے کیا کہا ان سے ؟اس نے کیا کہا؟ ساتھ کون کون تھا!" وہ جلد جلد سوال کرنے لگی۔ منصور اس کی حالت سے محظوظ ہو رہے تھے۔

"یہ وہی ہے نا ماریہ جس کے لیے ستاروں کی طرح جلنے کو جی چاہتا ہے ؟ وہی ہے نا جس کے لیے تمہاری آنکھوں میں ایک آگ سی دکھتی ہے ؟"ماریہ پہلے تو صامت

ہو گئی پھر ہولے سے ہاں میں سر ہلا دیا۔ سائرہ جو کہ روٹی کا نوالہ توڑ رہی تھیں، غصے سے دونوں باپ بیٹی کو گھورنے لگیں، دونوں نے کبھی جو انہیں راز کی باتیں بتائی ہوں۔

''آپ کو کیسے پتہ لگا؟'' اس نے اب بھی پر جوش سے انداز میں پوچھا تھا۔

''کہہ رہا تھا کہ اسے ستارے بہت اچھے لگتے ہیں۔'' منصور کہہ کر مسکرائے تھے، ماریہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

''آپ نے جواباً کیا کہا؟ وہ واپس چلے گئے؟ آپ نے ہاں کہا؟'' وہ بہت بے چینی سے سوال کر رہی تھی۔

www.novelsclubb.com

''جواب ابھی نہیں دیا میں نے۔ مگر تمہاری بے تابی دیکھ کر لگ رہا ہے کہ جلد از جلد نکاح کروانا ہو گا۔'' اور ماریہ کی چلتی زبان کو بریک لگی۔ اس نے لبوں کو کاٹا اور پھر شرمندہ سا مسکرا دی۔ پھر اپنی ماں سے باتیں کرنے لگی۔

اس نے خوابوں میں بھی نہیں سوچا تھا کہ زندگی اتنی حسین ہو سکتی ہے۔ بہار کی طرح، ستاروں کی طرح، آسمان کی طرح خوبصورت، حسین!

وقت ٹک ٹک کی آواز کے ساتھ بہتا جا رہا تھا۔

•••••

پوری راہ نیم غنودگی کی حالت میں گزری تھی، پھر ایک موڑ آیا اور وہ جاگ گئی، وہ سہم کر جاگی تھی۔ لمبا سا سانس لیا تو نگاہ سامنے گئی، وہ ایک بڑی سی عمارت کے سامنے تھے اور عیسی گاڑی روک چکا تھا۔ عیسی سے پہلے اس کے دل کی دھڑکن اسے بتا چکی تھی کہ وہ کوچہ ءِ یار میں پہنچ چکی ہے۔ عیسی نے گاڑی روکتے ہی اسے دیکھا، جو پہلے کسی کشمکش کا شکار دکھی اور پھر ہوں مسکرائی جیسے وہ آخری موقع ہو مسکرانے کا، یہ واحد مہلت ہو ہنس دینے کی، یہ خوشی کا آخری لمحہ ہو۔

www.novelsclubb.com

وہ دونوں ایک ساتھ باہر نکلے تھے، اس نے فیروزی رنگ کی فراک پہن رکھی تھی، سر پہ دوپٹہ ٹکا ہوا تھا۔ عیسیٰ نے نیلے رنگ کا سویٹر اور جینز پہنی ہوئی تھی۔ وہ دونوں ایک ساتھ آگے بڑھے تھے۔

لفٹ میں داخل ہوتے ہوئے، اوپر جاتے ہوئے، اس گھر کے دروازے پہ دستک دیتے ہوئے اسے اس کی پرجوشی، اس کی خوشی کی یاد آئی تھی۔ کتنے دل سے وہ کہتا تھا کہ جس روز وہ اس کے ساتھ اس کے گھر آئے گی، اس کا گھر دنیا کا سب سے حسین مقام بن جائے گا۔

دروازہ جھنجھلاتے ہوئے داؤد نے کھولا تھا، مگر سامنے اسے دیکھ کر جھنجھلاہٹ دور ہو گئی۔ اس نے ہلکا سا مسکرا کر دونوں کو اندر آنے کو کہا۔ وہ سیاہ رنگ کی شلوار قمیص پہنے ہوئے تھا، اور اس کی سیاہ آنکھیں آج مدتوں بعد چمکتی ہوئی دکھتی تھیں۔

آنا پہلے اندر داخل ہوئی اور پھر عیسی۔

www.novelsclubb.com

"السلام علیکم مسٹر پانڈا! بتایا ہی نہیں تم نے کہ شادی کر رہے ہو تو میں نے سوچا میں خود جا کر پوچھ آتی ہوں۔۔۔" وہ پورے دل سے مسکراتے ہوئے بولی تو داؤد نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

پھر ایلیانہ عیسیٰ کی طرف بڑھ گئی، وہ ڈائیننگ ٹیبل پہ بیٹھا تھا، وہ میز کے قریب جا کر پہلے ایک منٹ تک گھورتی رہی ایک کرسی کو پھر اس کی آنکھیں چمکیں، وہ مسکرائی اور اس کرسی پہ جا بیٹھی۔

داؤد عیسی کے ساتھ آ بیٹھا اور عیسی کو سنجیدگی سے کچھ کہہ کر ایلیانہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"آج تو تم پہلی بار ہمارے گھر آئی ہو، شیرنی۔ بتاؤ کیا کھاؤ گی؟" ایلیانہ جو میز کو گھورتی جا رہی تھی، اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

www.novelsclubb.com

''گھر میں کیا بنا رہے تھے تم؟'' داؤد سر جھکا کے ہنس دیا، اس کی حرکتیں ویسی ہی تھیں جیسے بچپن میں ہوا کرتی تھیں۔

''دال بنا رہا تھا، ماش کی دال۔ کھاؤ گی؟'' اسی ایک زمانے میں شدید چڑ تھی دال سے، تو اسے چڑانے کی غرض سے کہا۔

''وہی کھاؤں گی، مکھن کے ساتھ۔۔بہت پسند ہے مجھے۔'' اس کے جواب پہ مسکراتے ہوئے اس لڑکے کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

اسے اچانک سے یاد آ گیا تھا کہ دال ماش کو مکھن کے ساتھ عالیان کتنے شوق سے کھاتا تھا۔ وہ معذرت کر کے کچن کی اور بڑھ گیا تھا۔

www.novelsclubb.com

پندرہ منٹ بعد واپس آیا تو ہاتھ میں تین مگ تھے، آنا نے کافی کے مگ کو لبوں سے لگاتے ہوئے کہا۔

''پہلے کافی پسند تھی، اب تو اس سے محبت ہے۔'' داؤد اور عیسی اس کی بات پہ مسکرا دیے۔

ماحول کے تناؤ کو وہ دونوں محسوس کر رہے تھے۔

پھر آنا داؤد سے اس کی نوکری کے سوال کرنے لگی، اس ڈاکٹری کے پیشے کے بارے میں پوچھنے لگی جو کسی زمانے میں اس کے لیے ایک جنون تھا۔ ان سب باتوں کے درمیان داؤد نے اس سے پوچھ لیا۔

''یہاں کیسے آنا ہوا؟'' وہ جو ہاتھ ہلا ہلا کر اس سوال سے بچنے کے جتن کر رہی تھی، تھم گئی، بمشکل مسکرائی اور کہا۔

www.novelsclubb.com

''مجھے ایک دن کے لیے جینا تھا۔۔۔'' اس کے یوں کہنے پہ داؤد اپنے سوال پہ پچھتایا تھا، اور عیسی کی آنکھوں میں فکر سی گھلتی گئی۔ پھر آنا نے ادھر ادھر کی بات نہیں کی۔ اسے دیکھا اور کہا۔

”میرے خط ہیں تمہارے پاس۔اس گھر میں۔میرے خط لوٹا دو۔۔۔“ آواز یکدم اداس ہو گئی تھی، داؤد بنا کچھ کہے اٹھا، ایک گچھے سے ایک چابی نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

وہ چند لمحے تو اس چابی کو گھورتی رہی، پھر اسے تھام کر یوں مسکرائی گویا دنیا آج اس کے ہاتھوں میں آ گئی ہو۔

اس کے بعد داؤد نے اسے اس کے کمرے کا بتایا تو وہ اسی طرح مسکراتے ہوئے وہاں چلی گئی۔

پیچھے داؤد اور عیسیٰ کچھ دیر بالکل خاموش بیٹھے رہے۔

www.novelsclubb.com

آج وہ نیلا اپارٹمنٹ پر جوش سا تھا، اس کی دیواروں نے تو سن رکھی تھی عالیان ہادی کی باتیں، وہ دیواریں تو ایلیانہ احمد کو بہت پہلے سے جانتی تھیں۔

وہ کمرے کے دروازے کے سامنے آرکی، چابی کو تالے میں ڈالتے ہوئے ہاتھ کپکپائے تھے، اس نے چابی گھمائی تو دل کی دھڑکن کی رفتار بڑھ گئی۔ اس نے دروازہ کھولا اور اندر کی مخصوص خوشبو باہر کو اڈ آئی۔ اس نے آنکھیں میچ لی تھیں۔ اس کمرے میں داخل ہونے سے قبل اس کے جذبات کو محسوس کیا تھا۔

پھر اس نے قدم آگے بڑھایا، اور اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا۔

کمرا صاف ستھرا تھا، دیواروں پہ کئی تصاویر تھیں اور ان سب کے مصور کو تو وہ بہت اچھے سے جانتی تھی۔ بستر پر نیلے رنگ کی چادر تھی، اور ایک کمبل۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم بڑھاتے ہوئے اس کے سائیڈ ٹیبل تک آئی تھی جس پہ پڑا سفید پھول اسے بلا رہا تھا۔ اس سفید مرجھائے ہوئے پھول کے نیچے چند کاغذ تھے۔ وہ جانتی تھی کہ اسے وہ مل چکا تھا جو اسے لاہور سے اسلام آباد کھینچ کر لایا تھا، اس نے خطوط کو تھام لیا۔

انہیں سینے سے یوں لگایا گویا وہ کوئی مسافر ہو جسے پوری عمر کی تلاش کے بعد زندگی کا عندیہ مل گیا ہو۔ جیسے کوئی غریب ہو جسے عمر بھر کی محبت کا پھل مل گیا ہو، جیسے کوئی پروانہ ہو جسے اندھیری رات میں اجالا مل گیا ہو۔

وہ اب تک مسکرا رہی تھی، پھر اس نے کپکپاتے ہاتھوں کے ساتھ ان خطوط کو اپنے سیاہ رنگ کے بیگ میں ڈال دیا، اور بہت احتیاط سے بیگ کو تھام لیا۔ اس عام سے بستے میں اس لڑکی کی متاعِ کل تھی۔

اب وہ ہر دیوار تک جا کر ہر تصویر کو بغور دیکھ رہی تھی۔ پر تصویر کے کرب کو محسوس کر رہی تھی۔ اس نے اس کی ڈائری کو دیکھا، مگر کھول کر پڑھا نہیں۔ اتنی ہمت کہاں تھی اس میں؟

www.novelsclubb.com

اس نے اس کی کتابوں کو غور سے دیکھا، لاء کی دبیز کتابیں! چند کرائم تھرلر، چند تفسیر کی کتابیں، چند شاعری کے مجموعے! ان پہ دھول مٹی کا کوئی نشان نہیں تھا۔

وہ بھی جانتی تھی کہ یہ داؤد کی وجہ سے ممکن تھا، اس نے اس کمرے کو بند کر دیا مگر اسے ویران نہیں بننے دیا۔

وہاں ایک ریجسٹر بھی تھا، اس نے اسے نکال لیا۔ بستر پہ جا کر بیٹھ گئی اور اسے کھولا۔ اس میں مختلف الفاظ تھے، کوڈ ورڈز تھے۔ آنا کا سانس تھمنے لگا، اس کے دل نے اس سے کہا تھا، یہ عام الفاظ نہیں ہیں، چابی ہے کسی تالے کی۔ اس نے ریجسٹر کو ایک طرف رکھا۔

اور ایک شاعری کے مجموعے کو پکڑا، کتاب کھولی تو اس میں اشعار کے آگے سٹکی نوٹس پہ کچھ کچھ لکھا ہوا تھا۔

www.novelsclubb.com

ایک شعر پڑھا اس نے۔

"دل تھا اداس عالم غربت کی شام تھی

کیا وقت تھا کہ تم سے ملاقات ہو گئی"

اور اس کے ساتھ ایک کاغذ تھا، اس نے کاغذ کھولا، اور پڑھنا شروع کیا۔

''دسمبر کے آخری دن، جمعرات کا وہ دن اور وہ حسین سی شام۔ آہ، وہ شام کبھی بھولے گی مجھے جب ایک عرصے بعد ان سبز آنکھوں میں جھانکا تھا، کس طرح اس نے ایک نظر مجھے نہیں دیکھا تھا، کس طرح چڑ چڑا کر بڑبڑائی تھی، کتنے غصے سے مجھے دیکھا تھا، آج بھی یاد کرتا ہوں تو سر جھکا کے ہنس دیتا ہوں۔'' اس کی تحریر کو مسکرا کے پڑھتے ہوئے کب وہ رونے لگی تھی اسے پتہ ہی نہیں چلا۔ اسے اس کا سر جھکا کے ہنسنا بہت یاد آیا تھا۔ منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

''بہت وقت ہو گیا ہے، عالیان۔ بہت آزما لیا مجھے۔ اب آجاؤ، کہیں سے آجاؤ! پلیز! تم آجاؤ اور ہنس کے دکھا دو، تم جب سر جھکا کے ہنس دیتے ہو نا، تو مجھے جینے کے طریقے یاد آنے لگتے ہیں۔'' وہ اس کاغذ کے ٹکڑے کو سینے سے لگا کر مسکراتے ہوئے رو رہی تھی۔ آج مر مر کے جی رہی تھی وہ۔

کچھ دیر اسی حالت میں بیٹھے رہنے کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی، کتاب کو اس کی جگہ پہ رکھا، اور دوسری طرف کھڑی دیوار کے سامنے جا کھڑی ہوئی، اس کمرے میں بہت زیادہ تصاویر تھیں، کتابیں تھیں۔ اور وہ ہر چیز کو ہاتھ لگا کر محسوس کر رہی تھی۔ وہ ایک تاریک سی رات میں ایک سڑک کی تصویر کو گھور رہی تھی جب دروازے پہ دستک ہوئی، اس نے اپنے چہرے سے آنسو پونچھ کر، مسکراتے ہوئے اندر آجانے کی اجازت دے دی۔ وہ داؤد تھا، اس کے ہاتھ میں ایک اور چابی تھی، اس نے آگے بڑھ کر چابی ایلیانہ کو دی اور اسی کمرے کے کونے میں موجود ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"اس کمرے میں اس کی بنائی اور تصاویر ہیں۔ وہ تصاویر جو وہ تمہیں دینا چاہتا تھا، تمہارے لیے بناتا تھا، وہ تصاویر جو اس کے لیے اہم تھیں، جو وہ اپنوں کے لیے بنایا کرتا تھا۔" چابی بڑھا کر اس نے ایک نظر ایلیانہ کے چہرے کو دیکھا، اس کی آنکھیں سرخ تھیں، ان کے نیچے حلقے تھے، رنگ زرد تھا، وہ بہت کمزور ہو چکی تھی۔ داؤد

سر جھکا کر باہر نکل گیا، اور ایلیانہ نے اس چھوٹے سے کمرے کو کھولا، وہاں ایک چھوٹا سا بلب تھا، اس نے بلب کو جلایا، وہاں ہر تصویر کپڑے سے ڈھکی ہوئی تھی، اس نے ایک سفید کپڑے کو ہٹایا، پہلی تصویر کا منظر اس نے پہلے بھی دیکھ رکھا تھا، ہسپتال کے ایک بستر پر ایک زخمی عورت تھی، خون میں لت پت عورت جسے ایک چھوٹے بچے نے گلے سے لگا رکھا تھا۔ ایلیانہ کے دل کو کسی نے ٹکڑوں میں بانٹ دیا۔ کتنی تکالیف دیکھی تھیں اس نے، کتنے درد سہے تھے۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ ایک اور تصویر کو دیکھا۔ اس تصویر میں ایک رسی سی تھی، جس کو تھامے ہوئے ایک لڑکی تھی، وہ اوپر چڑھ رہی تھی، رسی کانٹے دار تھی، اس لڑکی کے ہاتھ زخمی تھے، مگر وہ اوپر غور سے دیکھ رہی تھی، ایک آس سے۔ اوپر کے منظر پیارے تھے، مگر نیچے صرف آفتیں تھیں، اس کا دماغ ایک لمحے کے لیے گویا بند ہو گیا تھا، نہ وہ رو رہی تھی، نہ مسکرا رہی تھی، وہ بس بڑبڑا رہی تھی۔

"یا مقلب القلوب، ثبت قلبی علی دینک۔"

اگلی تصویر سے کپڑا ہٹا کر البتہ وہ مسکرادی تھی، جی اٹھی تھی، کھل گئی تھی۔

کئی قندیلیں تھیں جو آسمان پہ اڑ رہی تھیں اور نیچے سفید رنگ کے لہنگے میں ایک لڑکی تھی جس کا چہرہ نہیں دکھ رہا تھا، اس کے ساتھ ایک لڑکا بھی تھا سفید شیروانی میں۔ وہ چہرے نہیں بنایا کرتا تھا، مگر لمحوں کو قید کر دیا کرتا تھا۔ آنا اسے دیکھ کر کتنی بار ہنسی تھی، اور کتنی بار ہنستے ہنستے روئی تھی؛ اس بات کی گواہ اس کمرے میں موجود ہر تصویر تھی۔ اس نے سب تصاویر دیکھی تھیں، کسی ایک کو بھی چھو کر نہیں دیکھا تھا۔ پھر اس نے ہر تصویر کو واپس سے ڈھک دیا، بلب بجھا دیا اور کمرا بند کرنے سے قبل ایک بار خلاء کو دیکھا۔

"تم نے تو دیکھا ہو گا اسے سر جھکا کے مکمل یکسوئی سے کام کرتے، وہ تصاویر بہت پیاری بناتا ہے، مگر انہیں بناتی ہوئے، یکسوئی سے انہیں تکتے ہوئے، سر جھکا کے سنجیدہ ہو کر کام کرتے ہوئے وہ مصور خود زیادہ پیارا لگتا ہو گا۔ ہے نا؟" وہ پورے دل سے مسکراتے ہوئے اس کمرے سے پوچھ رہی تھی۔ کمرے نے جواب دیا اور

مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔اس نے دروازہ بند کر دیا۔آدھے گھنٹے بعد وہ باہر نکلی، اسے لگا تھا کہ ایک آدھ گھنٹا گزرا ہو گا مگر باہر آکر علم ہوا کہ رات کے نو بج چکے تھے اور وہ پورا دن اس کمرے میں بند رہی تھی۔وہ اسی ڈائننگ پہ جا بیٹھی،اسی کرسی پہ۔داؤد اور عیسی جو کچن میں تھے اور بحث کر رہے تھے،آہٹ پہ چونکے، پھر عیسیٰ اس کے ساتھ آبیٹھا اور داؤد کھانا رکھنے لگا۔

داؤد بیٹھا اور ایلیانہ نے میز پہ رکھے ریجسٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اپنے خط لیے ہیں اور یہ ریجسٹر بھی ساتھ لے کر جانا چاہتی ہوں۔لے جاؤں؟"

اس کے یوں پوچھنے پہ داؤد الجھا، پھر مسکرا کر کہا۔

"اس کی ہر چیز تمہاری ہے، تمہیں مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے!"

داؤد نے عیسی کو اشارہ کرتے ہوئے کہا، عیسی اب پلیٹوں میں کھانا ڈالنے لگا تھا۔

''تصویریں نہیں لیں تم نے اپنی؟'' روٹی کا نوالہ توڑتے ہوئے داؤد نے پوچھا تھا۔
اپنی پلیٹ میں مکھن ڈالتی لڑکی اداسی سے مسکرائی تھی۔

''دل میں آیا تھا ایک بار کہ لے لوں۔ پھر سوچا کہ وہ مجھے یہ تصاویر دینا چاہتا تھا تو میں خود کیسے لے لوں؟ جس دن وہ دے گا، اس دن ایک لمحے کے لیے بھی ہچکچاؤں گی۔ مگر وہ خود نہیں دے گا تو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گی۔ قسم لے لو، ہاتھ بھی نہیں لگایا ایک بھی تصویر کو۔'' کہتے کہتے مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔ پھر وہ نوالہ توڑنے کی طرف متوجہ ہو گئی، داؤد اور عیسی کے چہرے کا بدلتا ہوا رنگ تو اس نے دیکھا ہی نہیں تھا۔

www.novelsclubb.com

•••••

تاریخ تھی چار جون، اور آسمان پہ اس وقت آدھا چاند پوری شان کے ساتھ موجود تھا۔ وہ نماز پڑھ کے آدھا گھنٹا جائے نماز پہ بیٹھی رہی۔ یوں ہی بے وجہ بیٹھی رہی۔

سرخ سے رنگ کے اس جائے نماز پہ وہ سبز قمیص میں ملبوس لڑکی خاصی اداس تھی۔

اداسی سے تو اس کے گہرے ناتے ہو گئے تھے۔ کمبخت جان ہی نہیں چھوڑتی تھی۔ وہ اب پورا دن گھر میں بند نہیں رہتی تھی، مگر اپنے کمرے کا سیاہ روغن اس کی آنکھوں میں چبھتا تھا اب۔ زندگی اتنی سیاہ ہو گئی تھی کہ سیاہ رنگ کو دیکھ کے اب رونا آتا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ اٹھی اور دائیں جانب موجود بالکنی میں جا بیٹھی۔ اس کے گال سرخ پڑ رہے تھے، شاید گرمی کی وجہ سے۔ وہ غور سے چاند کو دیکھ رہی تھی۔ اب وہ چاند کو دیکھتی تھی تو چاند نہیں دکھتا تھا، بس ایک آواز سنائی دیا کرتی تھی۔

"چاند کو چاند کیا بناتا ہے؟"

ابھی بھی اس آواز نے اس کے ذہن کو گھر بنا رکھا تھا۔وہ سسکی تھی،اور پھر اس کی رندھی ہوئی آواز گونجنے لگی۔

"یامقلب القلوب۔ثبت قلب علی دینک۔"

(اے دلوں کو پھیرنے والے،میرے دل کو اپنے دین پہ ثابت قدم رکھنا۔)

اس کی سسکیوں کی آواز بڑھتی جارہی تھی،اور ساتھ میں دعاؤں کی رفتار بھی۔

"رب انی مغلوب فانتصر۔"

(اے میرے رب، میں بے بس ہوں، میری مدد فرمادے۔)

اور اس دعا کو پڑھتے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کے رودی تھی۔وہ بے بس تھی، بہت بے بس۔اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا۔اس کے اختیار میں کچھ نہیں تھا۔ان تیرہ مہینوں میں اگر اس نے کچھ جانا تھا تو وہ یہی تھا کہ وہ بے بس ہے۔حد سے زیادہ بے بس۔

www.novelsclubb.com

وہ نڈھال سی ہو کر اسی کرسی پہ بیٹھی رہی، حتی کہ فجر کی اذان کی گونج سماعتوں سے ٹکرائی۔

اذان سنتے ہی اس نے نماز پڑھی تھی۔ نماز پڑھنے کے بعد وہ کمرے سے باہر جانے کا ارادہ رکھتی تھی مگر اس کی آواز قدموں کی زنجیر بن گئے۔

''تم سوئی نہیں نا، ایلیانہ؟'' اس نے پیچھے دیکھا۔ وہ وہیں تھا، اسے وہیں ہونا تھا۔

ایلیانہ اسے دیکھتی رہی یہاں تک کے نم آنکھیں سوکھ گئیں۔ اور وہ آرام سے اپنے بستر کے ایک طرف موجود اپنے رائیٹنگ ڈیسک پہ جا بیٹھی۔

''میں محبت سے نہیں ڈرتی۔'' اس نے نیلے رنگ کے قلم کو اٹھایا اور لکھنا شروع کیا۔

www.novelsclubb.com

کہیں بہت اندر سے آواز آرہی تھی۔

''یہ مت کرو، ایلیانہ احمد۔ خود کو مار بیٹھو گی۔'' وہ جانتی تھی کہ جو وہ کرنے لگی ہے، اسے وہ بہت رلائے گا۔ بہت تکلیف دے گا، یوں لگے گا جیسے صحرا کی تند دھوپ میں پانی کا آخری قطرہ بھی گرم ہوا کے ساتھ گم ہو گیا۔ سیاہ رات میں ٹمٹماتا آخری ستارہ بھی بجھ گیا۔ مگر کچھ فیصلے لینے پڑتے ہیں۔ نہ لیے جائیں تو تندرست انسان مجنوں بن جاتا ہے۔ مجنوں سب کر سکتا ہے مگر انتقام تو نہیں لے سکتا نا؟

''اب نہیں ڈرتی۔۔۔ پہلے ڈرتی تھی بہت۔ لگتا تھا محبت مار دے گی۔ پھر جانتی ہو کیا ہوا؟ محبت نے مار دیا۔ مار دیا تو میں نے دیکھا کہ یہ کمبخت تو صرف مار سکتی ہے۔ زندگی دلا کے چھین سکتی ہے۔ سو اب محبت سے ڈر نہیں لگتا۔ لگتا ہے اب کیا ہی چھین لے گی۔'' قلم ہاتھ میں پھسلا تھا۔ اس کا قہقہہ گونجا تھا۔

www.novelsclubb.com

وہ سر پیچھے گرا کے ہنستی جا رہی تھی، پیچھے کھڑا ہیولہ سامنے آیا تو اس نے پوچھا۔

''ہنس کیوں رہی ہو ایسے؟'' اس کی سرمئی آنکھوں میں تشویش تھی۔

"یہی تو بات ہے۔یہی تو فرق ہے تم میں اور اس گدھے میں۔وہ ہوتا تو میرے ساتھ سر جھکا کے ہنستا۔اتنا ہنستا کہ مجھے اس ہی ہنسی پہ شک ہونے لگتا، تشویش ہونے لگتی کہ یہ یوں کیوں ہنس رہا ہے،اور اس کی ہنسی مجھے اور ہنسانے لگتی۔۔۔"

وہ مسلسل ہنستے ہوئے جواب دے رہی تھی۔

"مگر تم اس صورتحال میں نہیں ہو کہ ہنسو۔ایسی حالت میں اس کے سامنے ہنستی تو قسم لے لو سر جھکا کے ہنستا نہیں، سر جھکا کے رو دیتا۔۔۔" بڑی سنجیدگی سے اس ہیولے نے کہا تھا،ایلیانہ احمد مڑی،اپنی اداس سبز آنکھوں سے اس شخص کو دیکھا، جسے وہ اپنی زندگی کہا کرتی تھی،اور جس کی زندگی کا اسے اتنا یقین تھا کہ قبر دیکھ کے آنے کے باوجود اسے اپنے ذہن میں زندہ رکھا ہوا تھا اس نے۔

ہنسی اب غائب تھی۔

''اس لیے ہنس رہی ہوں کہ خود سے جھوٹ کہہ رہی ہوں۔'' وہ پھر ہنسی۔اب کی بار قہقہوں میں اداسی گھلنے لگی تھی۔

''ڈائری سے کہا ہے کہ اب محبت سے نہیں ڈرتی ہوں، یہ نہیں بتایا کہ اتنا ڈرتی ہوں کہ اب ڈر نہیں لگتا۔'' اس کی سوکھی آنکھیں نم پڑنے لگیں۔

''تم نے کہا تھا کہ میں جانتی ہوں کہ تم یہاں نہیں ہو۔'' وہ اب کرسی کا رخ اس شخص کی طرف مکمل موڑ چکی تھی۔

''اور یہ کہ میں نہیں جانے دوں گی تمہیں کہیں۔میں اپنے ذہن میں تمہیں مرنے نہیں دوں گی۔'' سامنے کھڑا شخص خاموش رہا۔

www.novelsclubb.com

''تم نے صحیح کہا تھا۔میں تمہیں اپنے ذہن میں کیسے مرنے دوں؟ میں تمہیں کیسے کھو سکتی ہوں؟'' آواز بھرا گئی۔

''میں نے یہ سوچا کہ میں تم سے کیسے بچھڑ سکتی ہوں۔ تم سے بچھڑ گئی تو دن کیسے کٹیں گے، راتیں کیسے بیتیں گی۔'' وہ ہیولہ اب کی بار مڑا تھا، وہ اس کے ذہن کی بنائی گئی تصویر تھی، وہ جانتا تھا ذہن میں کیا چل رہا ہے۔

ایلیانہ بھی کرسی سے اٹھ گئی، اس تک گئی، اور بڑی منت لہجے میں سما کے کہا۔

''میری طرف دیکھو ایک بار۔ منہ مت پھیرو، پلیز۔ مجھے تمہاری آنکھوں میں اپنا عکس دیکھنا بہت پسند ہے۔ جب میں خود کو تمہاری آنکھوں میں دیکھتی ہوں، مجھے خود سے محبت ہونے لگتی ہے۔ جب میں دنیا کو تمہاری آنکھوں سے دیکھتی ہوں، مجھے مثبت رخ دکھائے دینے لگتے ہیں۔ تمہارے ساتھ ہوں تو اچھا لگتا ہے سب۔۔۔'' اس کے اور اس ہیولے کے درمیان دھند سی چھانے لگی تھی۔

وہ چاہتی تھی کہ دھند چھٹ جائے، وہ اس کی آنکھوں کو غور سے دیکھنا چاہتی تھی، جی بھر کے دیکھنا چاہتی تھی۔ جن سے محبت ہو، ان سے جی کہاں بھرتا ہے؟

چند آنسو بہے۔ وہ اس کی آنکھوں کو دیکھ سکتی تھی۔ اس نے کہنا شروع کیا۔

''میں نے اتنا سوچا پر جواب نہیں ملا۔ مگر آج رات میرے خواب میں تم آئے۔ اصل میں تم نہیں آئے۔ ایک یاد آئی تھی۔ تمہیں یاد ہے جب تمہارے جسم سے۔۔۔'' وہ رکی، کھینچ کر سانس لیا۔ ہمت جمع کی۔ ''خون بہہ رہا تھا۔ ہاتھ کپکپا رہے تھے، بولنے کی سکت نہیں تھی، تب بھی تم نے میرے آنسو صاف کیے تھے، اور تب تم نے کہا تھا کہ۔۔۔'' جمع کی ہمت منتشر ہونے لگی۔ اس نے پھر سانس لیا۔ آنسوؤں کو ضبط کیا، مٹھیاں بھینچ لیں۔

''تم نے وہی کہا جو بھائی کہا کرتے تھے۔۔۔'' اس کی بات کو اس ساحرانہ آواز نے کاٹا تھا۔

www.novelsclubb.com

''تم جانتی ہو نا تم کیا کر رہی ہو؟'' اس کے سوال پہ وہ زخمی سا مسکرائی، اور پھر ہولے سے سر کو ہاں میں ہلایا۔

"میں حقیقت کو تسلیم کرنے جا رہی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ تم چلے جاؤ گے، جس وقت میرے ذہن کو یقین آگیا، اس وقت تم غائب ہو جاؤ گے، ایک لمبے عرصے کے لیے۔۔۔ مگر میں پھر بھی اپنے ذہن کو یقین دلانے والی ہوں، اسے بتانی والی ہوں کہ۔۔۔" ہیولہ کچھ کہہ رہا تھا شاید۔ آواز دبنے لگی، ایلیانہ نے سر جھکا دیا۔

کئی سال پہلے جو الفاظ امر ٹھہرائے گئے تھے، فضا میں گونجنے لگے، دل کٹ گیا، یقین آگیا یا شاید مر گیا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"کیا اس دنیا میں ملنا ضروری ہے؟"

اس نے سر اٹھا کے نہیں دیکھا تھا، اسے لگا وہ کبھی سر اٹھا ہی نہیں پائے گی۔

www.novelsclubb.com

کمرے میں اچانک بہت خاموشی چھا گئی تھی، باہر سے آتے پرندوں کی چہچہاہٹ، اندر گونجتی وہ ساحرانہ آواز، سب آوازیں دم توڑ گئی تھیں۔ ہر ذرہ صامت تھا، ساکت تھا۔

اس نے سر اٹھایا، ارد گرد دیکھا، وہ کہیں نہیں تھا۔

وہ گھٹنوں کے بل گر گئی، سانس لینے کی سعی کرتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔ وہ چلا رہی تھی شاید، سسک رہی تھی۔ اس کی آواز کو سن کے ڈرتے ہوئے سدرا جب اس کے کمرے تک پہنچیں تو اسے اس حالت میں دیکھ کے کچھ کہہ ہی نہ سکیں۔ انہوں نے اسے گلے سے لگا لیا۔ اس نے کچھ نہیں کہا، وہ ان کے سینے میں سر چھپا کے بلک بلک کے روئی تھی۔ صبر کرنے کی ٹھان لی تھی اس نے، اور صبر کرنا بڑا مشکل ہے۔

تقریباً آدھا گھنٹا یونہی رونے کے بعد اس نے دھیمے سے کہا تھا۔

www.novelsclubb.com

"فکر مت کیجیے گا، امی۔ یہ آخری دن تھا۔" کس چیز کا آخری دن، نہ اس نے بتایا، نہ سدرا نے پوچھا۔

جو حال تھا اس کا، اس حال میں کون سوال پوچھتا تھا؟

کوئی مریض سے پوچھتا ہے کہ وہ موت کے قرب میں کیوں ہے؟ کوئی مجنوں سے پوچھتا ہے کہ اسے دیوانہ کس نے بنا رکھا ہے؟ کوئی چکور سے پوچھتا ہے کہ چاند میں تو داغ ہیں، پھر اس کے لیے کیوں اتنا سفر کرتی ہے؟ کوئی پروانے سے پوچھتا ہے کہ شمع تو جلا دیتی ہے، اس کے لیے کیوں مرتا ہے؟

اور اگر کوئی پوچھ بھی لے، تو کیا محبت کرنے والوں کے پاس جواب ہوتے ہیں؟

یہی سوال سورج نے چاند سے اور زمین نے آسمان سے کیا۔ وقت مٹھی سے ریت کی طرح نکلتا گیا۔ زندگی گھٹتی گئی۔ آج آسماں اس لڑکی کے لیے اداس ہوا، جس نے وہ آئینہ کھو دیا جس میں اپنا عکس دیکھنا اسے از حد پسند تھا۔

www.novelsclubb.com

فضائیں خود سے یہی کہہ رہی تھیں۔

"زندگی نے جن کو مار دیا

ان سے زندگی کا سوال نہ کرو

کہ زندگی کا سوال اکثر

ہوتا ہے موت کا پیغام

اور موت کا پیغام کئی بار مارتا ہے

انہیں جو سانس لیتے جسم میں مر جاتے ہیں۔"

•••••

(اگلی قسط دسمبر میں، انشاءاللہ!)

www.novelsclubb.com